تاریخ آصفی

اردو ترجمہ

تفضیح الغافلین

مصنف

مرزا ابوطالب اصفہانی

مترجم

ڈاکٹر ثروت علی

قومی کونسل برائے فروغِ اردو زبان

وزارتِ ترقیِ انسانی وسائل، حکومتِ ہند

ویسٹ بلاک۔ 1۔ آر۔ کے۔ پورم نئی دہلی 110066

Tareekh-e-Asifi

By

Mirza Abu Talib Asfahani

© قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان، نئی دہلی

سنہ اشاعت	:		
پہلا اڈیشن	: 1987		
دوسرا اڈیشن	: 2001	تعداد	: 1100
قیمت	: =/58		
سلسلہ مطبوعات	: 527		

ناشر : ڈائرکٹر قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان، ویسٹ بلاک ا آر کے پورم، نئی دہلی 110066

طابع : میکاف پرنٹرس، ترکمان گیٹ، دہلی 110006

پیش لفظ

پیارے بچوں! میں تمہیں یہ بتانا چاہتا ہوں کہ علم حاصل کرنا وہ عمل ہے جس سے کائنات میں نیک و بد کی تمیز آجاتی ہے اس سے کردار بنتا ہے اور شعور بیدار ہوتا ہے، ذہن کو وسعت ملتی ہے اور سوچ میں نکھار آجاتا ہے، یہ سب ہونے کے بعد زندگی میں کامیابیوں اور کامرانیوں کا سلسلہ شروع ہو جاتا ہے اس لئے کسی بھی زبان کا ادب خواہ انگریزی ہندی یا اردو کا، ادب کا مطالعہ زندگی کو کامیابی سے ہمکنار کر دیتا ہے۔

ہمارا بچوں کا ادب اسی سلسلے کی ایک اہم کڑی ہے ہماری کتابوں کا مقصد تمہارے دل و دماغ کو روشن کرنا ہے اور ان چھوٹی چھوٹی کتابوں سے تم تک نئی نئی سائنسی ایجادات، دنیا کی بزرگ شخصیات اور نئے علوم کی روشنی پہنچانا ہے اس کے علاوہ کچھ اچھی اچھی کہانیاں تم تک پہنچانا ہے جن سے تم سبق حاصل کر سکو اور اپنے لئے نئی منزلیں متعین کر سکو یاد رکھو اردو زبان کو زندہ رکھنا ہے تو زیادہ سے زیادہ اردو کتابیں خود بھی پڑھو اور اپنے دوستوں کو بھی پڑھاؤ۔ تاکہ اردو زبان کو سنوارنے اور نکھارنے میں ہمارا ہاتھ بٹا سکو۔ اسی لئے قومی اردو کونسل نے یہ بیڑا اٹھایا ہے۔ اپنے پیارے بچوں کے ذخیرۂ علم میں اضافہ کرنے کے لئے نئی نئی و دیدہ زیب کتابیں شائع کرتا رہے جن کو پڑھ کر ہمارے پیارے بچوں کا مستقبل تابناک بنے۔

ڈاکٹر محمد حمید اللہ بھٹ

ڈائریکٹر

قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان

وزارت ترقی انسانی وسائل، حکومت ہند، نئی دہلی

حرفِ اوّل

پیش نظر کتاب تفضیح الغافلین (فارسی) کا اردو ترجمہ ہے، "یہ تاریخ آصفی" کے نام سے مشہور ہے، مصنف کتاب مرزا ابو طالب اصفہانی، لندنی، فارسی زبان کے بڑے عالم وادیب ہونے کے علاوہ تاریخ وسیاست پر گہری نظر رکھتے تھے، اٹھارویں صدی کے آخر سے انیسویں صدی کے آغاز تک ہندوستان میں جو اہم شخصیتیں منظرِ عام پر آئیں ان میں مرزا ابو طالب کی شخصیت بہت اہم ہے، جیسا کہ ان کے حالات زندگی کے مطالعہ سے اندازہ ہوگا، یہ افسوس ناک حقیقت ہے کہ اہلِ علم اور اربابِ تاریخ نے ان کے حالات اور کارناموں کی طرف توجہ نہیں کی، ہاں یورپ کے بعض علماء نے ان کی بعض تصانیف کے ترجمے انگریزی اور فرانسیسی زبانوں میں شائع کیے، ابو طالب کی بیشتر تصانیف یورپ کے کتب خانوں میں محفوظ ہیں، اور اب تک شائع نہیں ہوئیں۔

ابو طالب نے یورپ اور بعض ایشیائی ممالک کی سیاحت بھی کی اور انگلینڈ میں کافی عرصہ قیام کیا۔ "مسیر طالبی" کے نام سے اپنا سفر نامہ قلمبند کیا، یہ سفر نامہ فارسی کے علاوہ یورپ کی کئی زبانوں میں شائع ہو چکا ہے[1]۔ مجھے ابو طالب کے حالات اور کارناموں سے اس وقت دلچسپی پیدا ہوئی جب پہلی بار مسیر طالبی کے مطالعہ کا موقعہ ملا، اس کے بعد میں نے ان کی تمام تصانیف کے زیروگراف اور فوٹو اسٹیٹ کاپیاں یورپ کے کتب خانوں سے حاصل کرلیں۔ اور ابو طالب کے حالات اور کارناموں پر تحقیقی مقالہ لکھا۔ جس پر مجھے لکھنؤ یونیورسٹی سے پی۔ ایچ۔ ڈی۔ کی ڈگری ملی۔

ابو طالب نے عہد آصف الدولہ کی تاریخ "تفضیح الغافلین" کے نام سے رکھی تھی،

---

[1] "مسیر طالبی" کا اصل متن راقم الحروف نے صحت کے ساتھ مرتب کیا ہے اور اس کا اردو ترجمہ بھی مکمل کرلیا ہے جو زیر طبع ہے۔

جس کا انگریزی زبان میں مسٹر ڈبلیو ہوئے (W.HOEY) نے ترجمہ کیا تھا جو شائع ہو چکا ہے۔ اس کتاب کا ایک قلمی مخطوطہ رضا لائبریری رامپور میں اور دوسرا اصولت لائبریری رامپور میں محفوظ ہے۔ اول الذکر کی فوٹو اسٹیٹ کاپی نیشنل آرکیوز انڈیا نئی دہلی میں موجود ہے، میں نے اسی سے اردو میں ترجمہ کیا۔ اصل متن بھی اورینٹل ریسرچ انسٹی ٹیوٹ رامپور نے شائع کر دیا ہے۔

میں نے اس ترجمہ کے علاوہ نہایت اہم تاریخی ماخذوں کی مدد سے مفید فٹ نوٹ لکھ کر کتاب کی افادیت کو بڑھانے کی ممکن کوشش کی ہے۔ جس کا اندازہ قارئین کو مطالعہ کے بعد بخوبی ہو سکے گا۔ یہ کتاب تاریخ اودھ کا مطالعہ کرنے والوں کے لیے نہایت اہم اور مفید ثابت ہوگی۔

میں اس کا دعویٰ نہیں کر سکتا کہ یہ ترجمہ معیاری اور اغلاط سے عاری ہے۔ تاہم کوشش کی ہے کہ مطالب صاف و شستہ زبان میں ادا کیے جائیں۔ میں اپنے محترم بزرگ پروفیسر محمد حبیب صاحب سابق صدر شعبۂ تاریخ مسلم یونیورسٹی علی گڑھ کا بے حد ممنون ہوں کہ انھوں نے ترجمہ کے مطالعہ کی زحمت گوارا فرمائی اور ایک مختصر پیش لفظ بھی تحریر فرمایا موصوف نے اسے انگریزی میں تحریر کیا تھا جس کا اردو ترجمہ شامل کیا جا رہا ہے۔

کتاب کی ترتیب و اشاعت کے سلسلہ میں جن بزرگوں اور دوستوں نے میری رہنمائی فرمائی ان کا شکریہ نہ ادا کرنا احسان ناشناسی ہوگی، خاص طور سے محترم امیر حسن نورانی صاحب ڈاکٹر امیر حسن عابدی صاحب اور نیشنل آرکائیوز آف انڈیا کے ارباب حل و عقد اور اپنے ساتھیوں کا ممنون کرم ہوں جنھوں نے مطبوعہ و غیر مطبوعہ کتابوں کے مطالعہ میں میری مدد کی۔

ثروت علی

دیباچہ

ہندوستانی تاریخ کے طلبا کے اولین فرائض میں سے ایک یہ ہے کہ وہ اپنے علاقے کی اصل تالیفات فراہم کرکے ان کو باقاعدہ مرتب کریں اور پھر ترجمہ کریں، نیز ان کا ناقدانہ جائزہ لینے کی کوشش کریں۔ ان علاقوں میں اودھ (اتر پردیش)، کو ہندوستانی تاریخ کے ہر دور میں نمایاں حیثیت حاصل رہی ہے، اودھ کی تاریخی تالیفات میں ابو طالب اصفہانی کی تفضیح الغافلین (یا تاریخ آصفی ـــ) ایک اہم مقام رکھتی ہے۔ ابو طالب کے والد حاجی محمد بیگ خاں جو پیدائش کے لحاظ سے ترک لیکن تہذیبی اعتبار سے ایرانی تھے۔ قسمت آزمائی کے لیے ہندوستان آئے اور نواب صفدر جنگ کی ملازمت میں داخل ہو گئے۔ لیکن نواب شجاع الدولہ ان سے بدگمان ہو گئے اور انھیں گرفتار کرنے کا فیصلہ کر لیا۔ تاہم حاجی محمد خاں کو کسی طرح عین وقت پر نواب کے ارادے سے آگاہی ہو گئی اور وہ اپنے اہل و عیال اور تمام جائداد و املاک چھوڑ چھاڑ مرشد آباد کی طرف راہ فرار اختیار کر گئے جہاں وہ ۱۷۶۶ء میں فوت ہو گئے۔ شجاع الدولہ نے حاجی محمد خاں کا دو لاکھ روپیہ نقد اور ان کی تمام جائداد ضبط کر لی۔ لیکن ان کے فرزند ابو طالب کا بہت خیال رکھا۔ اپنی کتاب "مسیر طالبی" میں ابو طالب کا کہنا ہے کہ "میں لکھنؤ میں ۱۷۵۲ء میں پیدا ہوا تھا اور اگرچہ وہ (شجاع الدولہ) میرے والد کے رویے سے بہت ناخوش تھے پھر بھی انھوں نے اپنے اور ہمارے خاندانی تعلقات کے مدنظر، میری والدہ کو خرچ کے لیے روپے دیے اور میری اعلیٰ تعلیم کے بارے میں انھیں پر زور تاکید کی" ابو طالب نے مروجہ نصاب کے مطابق جتنی بھی تعلیم ہو سکتی تھی حاصل کر لی۔ باوجود پریشان حالی کے ان کی تصنیف و تالیف کی ہوئی تقریباً بارہ کتابیں (سب کی سب فارسی میں)، ہمیں ملی ہیں جو اُن کے اپنے ہاتھ کی لکھی ہوئی ہیں۔ نظم و نثر میں اور موسیقی اور علم ہیئت ایسے مضامین پر بھی، ان کی معرکۃ الآرا تصانیف ہیں "مسیر طالبی" جس میں ان کے یورپ، افریقہ اور مشرق قریب کے سفر کے حالات ہیں، "خلاصۃ الافکار" جو فارسی شعراء کی سوانح عمری ہے اور "تفضیح الغافلین"

جو اودھ کے آصف الدولہ کے دور کی تاریخ ہے۔

ڈاکٹر ثروت علی (نیشنل آرکائیوز آف انڈیا) جنھوں نے ابو طالب کی زندگی اور تحریروں کا ہر پہلو سے مطالعہ کرنے کے لیے انتہائی سعی و مشقت کے ساتھ چھ سال صرف کیے ہیں۔ تفضیح الغافلین کا اردو ترجمہ کرکے اسے شائع کرنے کا فیصلہ کیا ہے۔ اس بنا پر کہ اودھ اور لکھنؤ کی تہذیب و معاشرت کے بیان میں آصف الدولہ (کے دور) کی تاریخ بہت اہمیت رکھتی ہے۔

ابو طالب کی اصل کتاب کی حقیقت کے بارے میں ہمیں یہ یاد رکھنا ہوگا کہ حکومت برطانیہ نے اپنے اثر و رسوخ کا سایہ اودھ پر ڈالنا شروع کر دیا تھا اور ابو طالب نے ایک برطانوی افسر کرنل رچرڈسن کی تجویز سے یہ کتاب لکھنی شروع کی تھی۔ چنانچہ اکثر و بیشتر انھوں نے ایسٹ انڈیا کمپنی کے ایجنٹ کی طرح لکھا، سوچا، اور برتاؤ کیا ہے۔ تفضیح الغافلین (جس کا انگریزی ترجمہ ۱۸۸۵ء میں ہوئے نے کیا) اس مقدمہ کا ایک جز معلوم ہوتی ہے جو ایسٹ انڈیا کمپنی کے افسران نے اودھ کے الحاق کے جواز کے لیے بنانا شروع کیا تھا۔ ڈاکٹر ثروت علی نے نہایت توجہ کے ساتھ کتاب کے ناقدانہ موازنہ کی کوشش کی ہے۔ میں اتنا ہی کہنے پر اکتفا کروں گا کہ وہ سارا مواد جو ہماری دسترس میں ہے اس سے ثابت ہوتا ہے کہ وارن ہیسٹنگز اور کارنوالس کے بنگال کی بہ نسبت آصف الدولہ کے اودھ میں اوسط درجہ کے تعلیم یافتہ ہندوستانی اشخاص کی حالت بدرجہا بہتر تھی۔

محمد حبیب بی۔اے (آکسن) ڈی لٹ

فہرست مضامین

1	حرف اول	مرتب		5
2	دیباچہ	محمد حبیب بی-اے		7
3	ابوطالب کے حالات زندگی	مرتب		13
4	ابوطالب کی تصانیف	"		24
5	تاریخ آصفی (تفضیح الغافلین)	"		26
6	دیباچہ	مصنف		35
7	مقدمہ			37
8	آغاز وقائع آصف الدولہ			46
9	وقائع ۱۱۸۹ ہجری	مطابق	1775-76 عیسوی	51
10	وقائع ۱۱۹۰ ہجری	"	1776-77 عیسوی	57
11	وقائع ۱۱۹۱ ہجری	"	1777-78 عیسوی	68
12	وقائع ۱۱۹۲ ہجری	"	1778-79 عیسوی	73
13	وقائع ۱۱۹۳ ہجری	"	1779-80 عیسوی	80
14	وقائع ۱۱۹۴ ہجری	"	1780 عیسوی	86
15	وقائع ۱۱۹۵ ہجری	"	1780-81 عیسوی	87
16	وقائع ۱۱۹۶ ہجری		1781-82 عیسوی	95

17	وقائع ۱۱۹۷ ہجری	مطابق	1782-83 عیسوی	102
18	وقائع ۱۱۹۸ ہجری	〃	1783-84 عیسوی	107
19	وقائع ۱۱۹۹ ہجری	〃	1784-85 عیسوی	113
20	وقائع ۱۲۰۰ ہجری	〃	1785-86 عیسوی	114
21	وقائع ۱۲۰۱ ہجری	〃	1786-87 عیسوی	115
22	وقائع ۱۲۰۲ ہجری	〃	1787-88 عیسوی	117
23	وقائع ۱۲۰۳ ہجری	〃	1788-89 عیسوی	118
24	وقائع ۱۲۰۴ ہجری	〃	1789-90 عیسوی	119
25	وقائع ۱۲۰۵ ہجری	〃	1790-91 عیسوی	119
26	وقائع ۱۲۰۶ ہجری	〃	1791-92 عیسوی	127
27	وقائع ۱۲۰۷ ہجری	〃	1792-93 عیسوی	134
28	وقائع ۱۲۰۸ ہجری	〃	1793-94 عیسوی	136
29	وقائع ۱۲۰۹ ہجری	〃	1794-95 عیسوی	139
30	وقائع ۱۲۱۰ ہجری	〃	1795-96 عیسوی	143
31	وقائع ۱۲۱۱ ہجری	〃	1796-97 عیسوی	149
32	اشاریہ			160
33	اشخاص و اقوام کے نام			
34	اسمائے بلاد			
35	کتابیات			182

11

Empire. Magazini

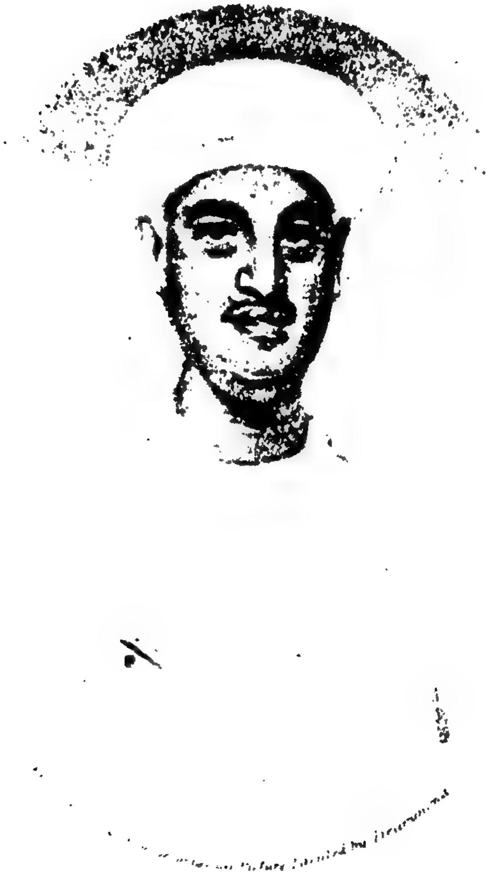

ABOOTALEB KHAN

ابوطالب کے حالاتِ زندگی

اٹھارہویں صدی کے آخری نصف حصہ میں مرزا ابوطالب اصفہانی کی شخصیت بعض حیثیتوں سے بہت ممتاز ہے۔ وہ بیک وقت ایک نامور سیاح، تاریخ داں منتظم اور جیّد عالم تھے۔ وہ ۱۱۶۶ ہجری (۱۷۵۲ء) میں لکھنؤ میں پیدا ہوا۔ ان کے والد حاجی محمد بیگ خاں اصفہانی عباس آباد، اصفہان کے ایک باعزت ترک خاندان سے تعلق رکھتے تھے۔ نادر شاہ کے حملوں کی وجہ سے محمد بیگ نے ایران سے ہندوستان آکر نواب صفدر جنگ[1] کی ملازمت اختیار کی۔ نول رائے[2] کے

---

[1] صفدر جنگ، نواب اودھ کا اصل نام مرزا مقیم تھا۔ وہ منصور علی خاں کے نام سے مشہور ہیں یہ سیادت خاں کے فرزند اور نواب برہان الملک کے بھتیجے و داماد تھے۔ برہان الملک کی وفات کے بعد ۱۱۵۲ ہجری (۱۷۳۹ء) میں انھیں اودھ کے انتظام کے سلسلہ میں وہاں بھیجا گیا۔ ۱۷۴۸ء میں انھیں وزیر مقرر کیا گیا۔ ۱۷۵۲ء میں انھیں وزارت سے برطرف کر دیا گیا۔ اودھ واپسی کے سفر میں ۱۷۵۳ء میں ان کا انتقال ہو گیا۔

(BEALE, T. W— ORIENTAL BIO GRAPHICAL DICTIONARY P230)

[2] نول رائے، راجہ، یہ سکسینہ کائستھ تھے، شروع میں نواب صفدر جنگ کی ملازمت میں تھے، رفتہ رفتہ انھوں نے ترقی کی، اور راجہ کا خطاب پایا۔ نواب قائم جنگ کی وفات کے بعد نواب صفدر جنگ کے (باقی صہ ۲ پر)

احمد خاں بنگش[1] کی لڑائی میں مارے جانے کے بعد جب محمد قلی خاں[2] کا بہ حیثیت نائب صوبہ تقرر ہوا تو محمد بیگ ان کے ساتھ الہ آباد چلے گئے۔ کچھ عرصہ بعد نواب شجاع الدولہ[3] نے محمد قلی خاں کو قتل کروا دیا۔ اس وقت ابوطالب کے والد اپنی ساری جائداد و مال و اسباب چھوڑ کر مرشدآباد چلے گئے اور نواب محمد رضا خاں مظفر جنگ[4] کی سرکار سے وابستہ ہو گئے۔ شجاع الدولہ نے ان کا کل اثاثہ ضبط کر لیا۔ لیکن کچھ دنوں بعد ان کے خاندان کی خدمات کا اعتراف کرتے ہوئے ابوطالب کی تعلیم کا مناسب انتظام کرا دیا

(بقیہ حاشیہ ص۱) قائم جنگ کے فتح شدہ علاقوں کا نائب مقرر کیا گیا۔ احمد خاں بنگش سے لڑائی میں ۳ اگست ۱۷۵۰ء کو یہ ہلاک ہوئے (ٹی۔ ڈبلیو بیل اورینٹل بائیوگرافیکل ڈکشنری صفحہ 23 Ibid)

[1] نواب احمد خاں بنگش فرخ آباد کے نواب محمد خاں بنگش کے دوسرے بیٹے تھے۔ اپنے بھائی قائم جنگ کی وفات کے بعد ۱۱۶۳ ہجری (دسمبر ۱۷۴۹ء) میں اس کا ملک اپنے قبضہ میں کر لیا۔ بعد میں اس نے افغانوں کی ایک فوج اکٹھا کی اور نواب وزیر کے نائب راجا نول رائے کو شکست دی۔ اس لڑائی میں راجہ مذکور مارا گیا اور نواب احمد خاں کو علاقہ مل گیا جو بعد میں اس کے جانشینوں سے چھین لیا گیا۔ یہ واقعہ جمعہ ۔ اور رمضان ۱۱۶۳ (دسمبر ۱۷۴۹ء) کو پیش آیا۔ اس کے بعد احمد خاں نے ۲۲ قمری سال حکومت کی۔ اس کا انتقال شعبان ۱۱۸۵ ہجری (نومبر ۱۷۷۱ء) میں ہوا۔ اس کی جگہ اس کا لڑکا دلیر ہمت خاں نواب ہوا جسے شہنشاہ شاہ عالم سے مظفر جنگ کا خطاب ملا (Ibid. p 27)

[2] محمد قلی خاں گورنر الہ آباد مرزا محمد حسن کے لڑکے تھے کہ جو نواب صفدر جنگ کے بھائی تھے۔ ۱۱۷۳ ہجری (۱۷۵۹ء) میں انھوں نے شہزادہ علی گوہر (جو آخر میں شاہ عالم کے نام سے مشہور ہوا) کے حکم سے پٹنہ پر حملہ کیا اور اس کا محاصرہ کر لیا۔ محاصرہ کے دوران انکو الہ آباد پر نواب شجاع الدولہ کے حملہ کی اطلاع ملی اور وہ وہاں چلے گئے۔ ۱۱۷۴ ہجری (۱۷۶۰ء) میں الہ آباد پہنچنے پر انھیں نواب شجاع الدولہ نے جلال آباد کے قلعہ میں قید کر کے بہت ہی بے رحمی سے ان کو مروا دیا۔ (Ibid p190) (باقی اگلے صفحہ پر)

تھوڑے دنوں بعد والد کے بلانے پر ابوطالب اپنی ماں کے ساتھ بنگال چلا گیا۔ اس وقت اس کی عمر چودہ سال کی تھی۔ مرشد آباد میں ابوطالب کی شادی نواب محمد رضا خاں کی ایک عزیزہ سے ہوئی اور ان کو وہاں عامل[1] مقرر کیا گیا۔ بنگال پہنچنے کے

(پچھلے صفحہ کا حاشیہ) [3] نواب شجاع الدولہ، نواب منصور علی خاں صفدر جنگ گورنر اودھ کے لڑکے تھے۔ ان کا اصلی نام جلال الدین حیدر ہے۔ ان کی پیدائش ۱۱۴۴ ہجری (۱۷۳۱ء) میں ہوئی۔ اپنے باپ کی وفات پر ذی الحجہ ۱۱۶۷ ہجری (اکتوبر ۱۷۵۴ء) میں یہ تخت اودھ پر مسند نشین ہوئے۔ یہ مرہٹوں اور احمد شاہ ابدالی کی مشہور لڑائی میں موجود تھے جو کہ ۱۷۶۱ء میں ہوئی تھی۔ بعد میں یہ شاہ عالم کے وزیر مقرر کئے گئے۔ بکسر کی جنگ میں انھوں نے انگریزوں کے ہاتھوں ۲۶ ربیع الثانی ۱۱۷۸ ہجری (۲۳ اکتوبر ۱۷۶۴ء) شکست کھائی۔ ۲۴ ذی قعدہ ۱۱۸۸ ہجری (۲۹ جنوری ۱۷۷۵ء) کو اپنے دارالسلطنت فیض آباد میں وفات پائی۔ اودھ کی رعایا ان سے محبت کرتی تھی۔ حافظ رحمت خاں کے لڑکے ذوالفقار کا ملک نواب شجاع الدولہ نے فتح کیا تھا) بھی ان کی وفات پر روئے۔ (ibid p 259)

[4] محمد رضا خاں (مظفر جنگ) میر جعفر کے دوسری مرتبہ حکومت کے زمانہ میں ڈھاکہ کا گورنر تھا۔ نندکمار کی سازشوں کی وجہ سے اسے معزول کر دیا گیا اور گرفتار کر کے مرشد آباد لایا گیا۔ ۱۷۶۵ء میں نواب نجم الدولہ نے مسند نشین ہونے کے بعد محمد رضا خاں کو نائب صوبہ مقرر کیا۔ انگریزوں نے دیوانی حاصل کرنے کے بعد اسے دیوان مقرر کیا۔ کلایو نے اسے مظفر جنگ کا خطاب دلوایا۔ ۱۷۷۲ء میں اس پر غبن کا الزام لگایا گیا۔ تقریباً ایک سال تک تحقیقات کے بعد یہ ۱۷۷۳ء میں باعزت طور پر بری کر دیا گیا۔ مبارک الدولہ کے زمانہ میں اسے پھر دوبارہ اپنے پرانے عہدہ پر مقرر کیا گیا۔ نواب نے بالغ ہونے پر ۱۷۷۸ء میں اسے برخاست کر دیا۔ اگلے سال پھر اسے کورٹ آف ڈائرکٹرز کے حکم سے پھر اپنی پرانی جگہ بحال کیا گیا اور اپنی وفات کے وقت تک یعنی ۲ صفر ۱۲۰۶ ہجری (یکم اکتوبر ۱۷۹۱ء) تک اس عہدہ پر کام کیا۔

(CALENDER OF PERSIAN CORRESPONDENCE, Vol VII p 2)

[1] عامل۔ حکومت کے محکمہ مال کا ایک افسر خصوصاً وہ جو کسانوں سے حکومت کے حصہ (باقی اگلے صفحہ پر)

تقریباً ایک سال بعد ان کے والد کا انتقال ہو گیا۔ اس کے بعد کے آئندہ پانچ سال انھوں نے اپنے والد کے شفیق دوست زین العابدین خاں کے ساتھ وہیں گذارے۔ شجاع الدولہ کے انتقال کے بعد سلطنت اودھ کے نائب مختار الدولہ کے بلانے پر زین العابدین خاں کے ساتھ ابوطالب لکھنؤ پہنچے۔

جب ۱۷۷۶ء میں زین العابدین خاں کا تقرر دوآب کے انتظام کے سلسلہ میں ہوا تو انھوں نے کڑا کے ملحقہ علاقہ جس کی آمدنی تقریباً پندرہ لاکھ روپیہ تھی ابوطالب کے سپرد کیا۔ بقول پروفیسر ہمایوں کبیر اس وقت ابوطالب کو پہلی مرتبہ گاؤں کی زندگی، معاشی حالت اور رعایا کا گہرا مطالعہ کرنے کا موقع ملا[1]۔ لیکن ASIATIC ANNUAL REGISTER 1801 کے مطابق ابوطالب اس سے قبل بنگال میں عامل کے عہدہ پر تقرر ہو چکا تھا[2]۔

اپنے پھپھوند (دوآب) کے دوران قیام میں ابوطالب نے ایک انگریز افسر میجر مہر (Mayor Hoo) کی جان بچائی۔ اس زمانہ کے واقعات بہت تفصیل سے اس کتاب میں درج ہیں[3]۔ تھوڑے ہی عرصہ گذرنے پر مختار الدولہ کے قتل کے بعد حیدر

(پچھلے صفحہ کا حاشیہ) کی مالگذاری وصول کرتا ہے۔ یہ خود بھی کسان یا ٹھیکہ دار ہوتا ہے اور سول و ملٹری کا ضلع میں سب سے بڑا افسر تھا۔

(Wilson, H. H.— A GLOSSARY of JUDICIAL and REVENUE TERMS .... OF BRITISH India, p34, CALCUTTA, 1940.)

[1] پروفیسر ہمایوں کبیر۔ رسل لیکچر THE RUSSELL LECTURE صفحہ ۲ جو پٹنہ کالج پٹنہ میں ۱۴ اپریل ۱۹۶۱ء کو ہوا۔
MISC TRA, 1800 —
ASIATIC ANNUAL REGISTER / MISC. TRA, 1100 LONDON 1801 [2]
[3] تاریخ آصفی۔ صفحہ ۲۲ -

بیگ خاں نائب مقرر ہوا تو اس نے زین العابدین خاں کا دوآبہ کے علاقہ سے معطل کر دیا۔ مجبوراً ابوطالب کو بھی ان کے ساتھ لکھنؤ واپس آنا پڑا۔ اس کے کچھ ہی دنوں بعد زین العابدین خاں کا انتقال ہوگیا۔ ابوطالب نے ان کا ذکر اپنی کتاب خلاصۃ الافکار میں تفصیل سے کیا ہے[1]۔ ہت پرشاد نے اپنی تاریخ اودھ میں لکھا ہے کہ مختار الدولہ کے انتقال کے بعد جن لوگوں کا نام نیابت کے لئے زیر غور تھا ان میں مرزا ابوطالب خاں لندنی کا نام بھی شامل تھا[2]۔ لیکن حیدر بیگ اس عہدہ پر مقرر ہوا۔

دوآب سے واپسی کے بعد تقریباً ایک سال ابوطالب لکھنؤ میں رہا۔ اس عرصہ میں کرنل ہینی (Col Hannay[3]) کو گورکھپور کے قریب سروار کا علاقہ اجارہ پر دیا گیا تو حیدر بیگ نے ابوطالب سے اس کام میں شریک ہونے کی درخواست کی۔ ابوطالب کے بیان کے مطابق حیدر بیگ اس سے اپنی پرانی دشمنی کا بدلہ لینا چاہتا تھا۔ اس کی تفصیل یہ ہے کہ زین العابدین خاں کی معزولی کے بعد حیدر بیگ اس کو اپنے ساتھ لا لینا چاہتا تھا۔ لیکن ابوطالب نے ایسا کرنے سے انکار کر دیا تھا۔ کرنل ہینی

---

[1] خلاصۃ الافکار صفحہ ۵۲-۳۵۱۔ نسخہ انڈیا آفس لائبریری لندن نمبر ۶۹۶۔

[2] ہت پرشاد۔ تاریخ اودھ صفحہ ۲۳-۲۲ فتح گڈھ ۱۸۶۰۔

[3] الکزانڈر ہینی (۱۷۸۲-۱۷۴۱ء) شروع میں یہ برطانوی شاہی فوج میں ملازم ہوا۔ ۱۷۶۲ء میں اسے لفٹنٹ بنایا گیا اور بعد میں یہ کیپٹن ہوا۔ ۲۳ مئی ۱۷۷۳ء کو اسے انفنٹری بریگیڈ میں فیلڈ افسر بنایا گیا۔ ۱۷۷۴ء کی جنگ روہیلہ میں اس نے نمایاں حصہ لیا۔ ۱۷۷۸ء میں یہ نواب وزیر اودھ کا ملازم ہوا۔ یہاں اسے گورکھپور واس کے نواح کا انتظام سپرد ہوا۔ ۱۷۸۱ء میں اسے برخاست کر دیا گیا۔
(HODSON, Y. C. P — LIST OF THE OFICERS OF THE BENGAL ARMY, VOL 2, P 382, LONDON 1928)

اپنے غصہ کی وجہ سے بدنام تھا۔ حیدر بیگ نے یہ سوچا کہ ابوطالب جلد ہی کرنل کی بدزبانی کا شکار ہو جائے گا۔ لیکن برخلاف اس کے کرنل ہینی ابوطالب کی انتظامی اہلیت سے بہت زیادہ متاثر ہوا اور خود اس کے الفاظ میں "فرنگی دوسرے پانچ آدمیوں میں سے کہ جن کو میرے مقابلہ میں حیدر بیگ کی حمایت حاصل تھی بعض سے بددیانتی ظاہر ہوئی اور کچھ کاہلی و نااہلیت کی بنا پر کرنل کی نظروں سے گر گئے۔ صرف میں نے اپنے بے سہارا ہونے اور عزت بچانے کے خیال سے سر ہتھیلی پر رکھا اور روپیہ پیسہ کا لالچ نہیں کیا۔ کرنل کو مجھ پر اطمینان و اعتماد ہو گیا۔ یہاں تک کہ تمام روپیہ اور اپنے علاقہ کا سارا انتظام کہ جس کی آمدنی چالیس لاکھ تک پہنچی تھی میرے سپرد کر دیا۔"[1] یہ علاقہ خاصہ بڑا اور دلدلوں سے بھرا ہوا تھا۔ بقول ابوطالب "میں اس تین سال کے عرصہ میں یا تو خیموں یا بانس و پھوس کے بنے ہوئے عارضی مکانوں میں رہتا تھا۔"[2] اس کے تھوڑے ہی دنوں بعد کرنل ہینی کو معزول کر دیا گیا۔ ابوطالب لکھنؤ آ گیا اور تقریباً ایک سال بیکار رہا۔

۱۱۹۶ ہجری (۱۷۸۳ء) میں ابوطالب سے لکھنؤ کے ریزیڈنٹ مسٹر مڈلٹن[3] (MR (MIDDLETON نے گورنر جنرل وارن ہیسٹنگز[4] (WARREN HASTINGS

---

[1] تاریخ آصفی صفحہ ۳۴۔ [2] مسیر طالبی صفحہ ۱۳ [3] نتھنیل مڈلٹن (Nathaniel middleton) کو جنوری ۱۷۷۳ء میں نواب شجاع الدولہ کے دربار میں اودھ میں مقرر کیا گیا۔ اسی سال روہیلوں کی جنگ میں اسے معزول کر دیا گیا۔ ۱۷۷۵ء میں دوبارہ اسے اودھ میں ریزیڈنٹ مقرر کیا گیا اور ۱۷۷۶ء میں جان برسٹو کے تقرر تک اس جگہ رہا۔ بعد ہ نواب وزیر کی کمپنی کو دی ہوئی رقم واپس کی۔ کمپنی کی فوجوں میں تقسیم کے سلسلہ میں کلکٹر مقرر کیا گیا۔ بعد میں یہ وارن ہیسٹنگز کے مقدمہ میں ایک گواہ بھی رہا۔ ۱۸۰۷ء میں اس کا انتقال ہو گیا (C.R.C, 106 F, P22 ; BENGAL PAST AND PRESENT ; Oct-Dec 1924)

[4] وارن ہیسٹنگز Warren Hastings (۱۷۳۲ — ۱۸۱۸) گورنر جنرل ۲۸ جنوری ۱۷۳۲ء (باقی اگلے صفحہ پر)

کے اشارہ پر بلبھدر سنگھ سے جھگڑے میں کمپنی کی مدد کرنے کی درخواست کی۔ بلبھدر سنگھ تلوئی کا راجہ تھا۔ یہ لوگ پشتہا پشت سے نواب وزیر کے خاندان کے دشمن تھے۔ ان کے ساتھ ایک لاکھ راجپوتوں کی جماعت تھی۔ نواب وزیر نے اس کے استیصال کرنے والے شخص کے واسطے ایک لاکھ روپیہ کا انعام مقرر کیا تھا۔ ابوطالب نے شروع میں اس جھگڑے میں پڑنے سے انکار کیا کیونکہ اس کا خیال تھا کہ حیدر بیگ نے بلبھدر سنگھ سے ساز باز کر رکھا ہے لیکن بعد میں اس کے بہت اصرار کی وجہ سے اس مہم میں شامل ہو گیا۔ ابوطالب نے

(پچھلے صفحے کا حاشیہ) کو پیدا ہوئے۔ نیوسنگٹن بٹس اور ویسٹ منسٹر میں تعلیم پائی، ۱۷۵۰ء میں ایسٹ انڈیا کمپنی کی سول سروس میں شامل ہوئے۔ ۱۷۵۳ء میں قاسم بازار بھیجے گئے اور وہاں کی کاؤنسل کے ممبر ہوئے۔ ۱۷۵۶ء میں مرشد آباد میں قید ہوئے۔ اور کلکتہ سے نکالا جانے والے قیدیوں میں سے ایک یہ بھی تھے۔ ۱۷۵۷-۶۰ء تک مرشد آباد میں ریزیڈنٹ رہے۔ بعد میں ان کا نند کمار سے جھگڑا ہوا جو کہ ایک مشہور واقعہ ہے۔ کلکتہ کی کاؤنسل میں ۱۷۶۱ء میں یہ ممبر ہوئے۔ ۱۳ اپریل ۱۷۷۲ء کو یہ گورنر بنگال ہوئے۔ انھوں نے انتظامی معاملات میں بہت سی اصلاحات کیں۔ روہیلوں سے جنگ کر کے انھیں شکست دی۔ ہیسٹنگز اس میں نواب وزیر کی فوج کی مدد کے لئے کمپنی کی فوجیں بھیجی تھیں۔ ریگولیٹنگ ایکٹ (۱۷۷۳ء) کی رو سے یہ گورنر جنرل بنائے گئے۔ ان کا یہ زمانہ ۲۰ اکتوبر ۱۷۷۴ء سے شروع ہوتا ہے۔ انھوں نے کلکتہ مدرسہ و ایشیاٹک سوسائٹی آف بنگال (Asiatic Society of Bengal) کی بنیاد ڈالی۔ یکم فروری ۱۷۸۵ء کو یہ انگلستان کے لئے روانہ ہوا۔ وہاں پہونچ کر ان پر مقدمہ چلایا گیا جو کافی عرصہ تک چلتا رہا۔ ۱۴۵ دن کے بعد یہ اپریل ۱۷۹۵ء کو یہ باعزت بری ہوا۔ اس مقدمہ میں اس کا ستر ہزار پونڈ خرچ ہوا۔ ایسٹ انڈیا کمپنی نے اس کو مالی امداد دی۔ ڈیلسفورڈ (Daylesford) کی خاندانی جائداد اس نے خرید لی۔ اس کا انتقال ۲۲ اگست ۱۸۱۸ء میں ہوا۔

(BUCKLAND — DICTIONARY OF INDIAN BIOGRAPHY PP193-94)

۵ بلبھدر سنگھ تلوئی (اودھ) کا زمیندار تھا۔ ۱۷۷۸ء میں اس نے نواب آصف الدولہ کے خلاف بغاوت کی (باقی اگلے صفحہ پر)

اس معرکہ میں غیر معمولی ہوشیاری اور چابکدستی سے کام لیا۔ پہلے تو اس نے بلبھدر سنگھ کے رشتہ داروں کو حکمت عملی سے اس کے خلاف کر دیا۔ اس علاقہ کے اطراف میں جنگل تھا جس کے درمیان ہر چند میل پر ایک مضبوط قلعہ تھا۔ سابق عامل قلعے سے باہر نکل کر ایک مقام سے اس کو نکالتے اور بغیر اس جگہ کو برباد کیے ہوئے اس کا پیچھا کرتے تھے۔ اس طرح وہ اس جگہ سے دوسری جگہ اور یکے بعد دیگرے پھر پہلی والی جگہ پر پہنچ جاتا تھا۔ ابوطالب نے اس کے تدارک کے واسطے بہت سے بیلدار نوکر رکھے اور جہاں سے اس کو نکالا وہاں کا جنگل اور قلعہ ویران کر دیا تاکہ اس کے قلعہ بند ہونے کی جگہ باقی نہ رہے۔ ان ترکیبوں سے اس نے بلبھدر سنگھ کو بے بس کر دیا۔ ۲۰ اپریل ۱۷۸۳ء کو راجہ مذکور گرفتار ہوا اور اس کے دوسرے دن زخموں کی تاب نہ لا کر چل بسا۔[1]

ابوطالب کی اس کامیابی کو اس کے دشمن نہ دیکھ سکے۔ حیدر بیگ اس بات سے اتنا جلا کہ اس کا پانچ سو روپیہ ماہوار کا وظیفہ سرکار اودھ سے رکوا دیا۔ اسی وجہ سے ۱۲۰۲ ہجری (۱۷۸۷ء) میں ابوطالب کو کلکتہ جانا پڑا تاکہ گورنر جنرل سے مل کر اپنا معاملہ طے کرائے۔ اس نے اپنے خاندان کے لوگوں کو بھی کلکتہ بلا لیا۔ ان کے واسطے ایک مکان کلکتہ میں بنوانا پڑا۔ اس کے علاوہ اس نے وہاں ایک باغ بھی لگوایا۔ کلکتہ کے دوران قیام میں ابوطالب کے ایک نوعمر لڑکے کا انتقال ہو گیا جس پر اس نے ایک پُر درد مرثیہ لکھا۔ بالآخر وہ گورنر جنرل لارڈ کارنوالس[2] (LORD CORNWALLIS) کے سفارشی خطوط لے کر لکھنؤ واپس لوٹا۔

(پچھلے صفحے کا حاشیہ) اور زبردست مقابلہ کیا۔ اسے شکست ہوئی اور گرفتار ہوا۔ ۲۰ اپریل ۱۷۸۳ء کو زخموں کی تاب نہ لا کر ہلاک ہوا۔ (C.P.C, Vol VII, P 15)

[1] تاریخ آصفی۔ صفحات ۵۵-۵۶۔

A

[2] ارل آف کارنوالس (EARL OF CORNWALLIS) گورنر جنرل و کمانڈر انچیف ہندوستان (۱۷۸۶-۹۳) (C.P.C Vol IX, Index, India

اس عرصہ میں حیدر بیگ کا انتقال ہو چکا تھا۔ اودھ کے نئے حاکموں نے اس کو وعدے وعید پر ٹالا۔ انھوں نے اسے صرف پانچ سو روپیہ ماہوار کی رقم [illegible] دی جو برسوں پہلے اس کے لیے منظور ہوئی تھی۔ انھیں دنوں جب لارڈ کارنوالس انگلستان واپس جا رہا تھا تو حسن رضا خاں[1] اور ٹکیت راے اس کو رخصت کرنے کے لیے بھیجے گئے۔ ابوطالب بھی ان کے ساتھ جا رہا تھا لیکن دو تین منزل جانے کے بعد ہی اسے واپس بلا لیا گیا۔ بعد میں ٹکیت راے کی جگہ جھاؤ لال کی تقرری کے بعد ابوطالب کو کمپنی کے افسر اعلیٰ مسٹر چیری[2] (MR CHERRY) کے ساتھ لکھنؤ سے نکال دیا گیا۔ کلکتہ پہنچنے پر گورنر جنرل سرجان شور[3] (SIR JOHN SHORE) نے اس کی مدد کرنے کا وعدہ کیا لیکن وہ ان دنوں

---

[1] مرزا حسن رضا خاں نواب آصف الدولہ کا ایک گہرا دوست تھا۔ ۱۷۷۵ء میں اسے نواب نے بہت اختیار دے کر اپنا نائب بنایا۔ ایک عرصہ تک وہ اس عہدہ پر رہا مگر تھوڑے ہی عرصہ بعد حیدر بیگ کی قابلیت کے باعث اس کا اثر کم ہو گیا۔ لیکن نواب وزیر بعد کے زمانہ میں بھی اس کی قدر کرتا رہا۔ (C.R.C, Vol VII, P 4)

[2] جارج فریڈرک چیری (George Frederick Cherry) (۱۷۶۱-۱۷۹۹) بی ایم سی۔ یہ جارج چیری کا لڑکا تھا۔ ان کی پیدائش ۱۷۶۱ء کی ہے۔ ۱۷۷۸ء میں یہ بنگال سول سروس میں داخل ہوئے۔ یہ لارڈ کارنوالس کے ساتھ ۱۷۹۲ء میں بحیثیت پرشین سکریٹری کے دکن گیا جہاں کہ ٹیپو سے سرنگاپٹم کے مقام پر صلح ہوئی۔ چیری نے ٹیپو سلطان کی ایک تصویر بنائی جو انڈیا آفس میں محفوظ ہے۔ ۱۷۹۳ء میں اس کا بنارس میں ریزیڈنٹ کی حیثیت سے تقرر ہوا اور یہیں وہ آصف الدولہ کے لڑکے وزیر علی کے ہاتھ سے ۱۴ جنوری ۱۷۹۹ء کو مارا گیا۔

(BUCKLAND), Op. cit, pp 80-81)

[3] سرجان شور (SIR JOHN SHORE) گورنر جنرل ہندوستان (۱۷۹۳-۹۸ء)

(C.P.C, Vol VII, P 7)

وزیر علی کا جھگڑا چکانے میں مصروف تھے۔ بدقسمتی سے اسی زمانہ میں سرجان شور بھی انگلستان واپس چلے گئے۔ اس زمانہ میں ابوطالب کے ایک گہرے دوست کپتان رچرڈسن (CAPTAIN RICHARDSON)[1] نے اسے اپنے ساتھ انگلستان چلنے کی دعوت دی۔ کپتان موصوف چھٹیاں گذارنے کے واسطے ولایت جارہے تھے۔ ابوطالب نے اس دعوت کو قبول کر لیا اور اس کے ساتھ یورپ چلا گیا۔

ابوطالب نے اس سفر کے حالات قلم بند کرنے کا انتظام پابندی کے ساتھ کیا اور کلکتہ واپس آنے پر ان کو جمع کر کے اپنی مشہور تصنیف مسیر طالبی فی بلاد افرنجی[2] مرتب کی۔ یہ افریقہ کا چکر لگاتا ہوا انگلستان پہنچا۔ لندن میں تقریباً ڈھائی سال قیام کیا۔ اس کے بعد فرانس، اٹلی ہوتا ہوا بحر روم کے راستے ترکی آیا۔ وہاں سے بغداد تک خشکی کے راستہ اور بصرہ سے بمبئی تک جہاز سے واپس لوٹا۔ لندن کے دوران قیام میں وہ "ایرانی شہزادہ PERSIAN PRINCE" کے نام سے مشہور تھا۔ شہنشاہ و ملکۂ انگلستان نے اسے کئی بار شرف باریابی بخشا۔ لارڈ میئر (LORD MAYOR) کی سالانہ دعوت میں یہ لارڈ نیلسن LORD NELSON کے ساتھ مہمان خصوصی تھا۔ لارڈ موصوف کی اس وقت جنگ نیل کے

---

[1] ڈیوڈ تھامس رچرڈسن (DAVID THOMAS RICHARDSON) (وفات ۱۸۰۸ء)
یہ فوج میں ملازم ہوا۔ ۱۷۷۸ء میں یہ کنٹری کیڈٹ بنا۔ ۱۷۹۱ء میں یہ کیپٹن بنایا گیا۔ اور ۱۷۹۸ء میں میجر ہوا۔ ۱۴ مارچ ۱۷۹۹ء سے ۲۲ مئی ۱۸۰۱ء تک اس نے اپنی چھٹیاں انگلستان میں گذاریں۔ ۱۸۰۵ء میں اسے کرنل کا عہدہ ملا۔ جہاز نیلسن کی تباہی میں یہ اپنی بیوی کے ساتھ ہلاک ہوا۔ یہ جہاز مارشس کے قریب ایک طوفان میں تباہ ہوا تھا۔ یہ ایشیاٹک سوسائٹی کا ایک سرگرم رکن تھا۔ اس نے ہندوستانی بازیگروں پر ایک ضخیم کتاب تصنیف کی۔

(HODSON, op.cit PP 644-45)

[2] مسیر طالبی مطبوعہ کلکتہ ۱۸۱۲ء۔

فاتح کی حیثیت سے بہت شہرت تھی۔ حاضرین نے ابوطالب و نیلسن دونوں کے جام صحت پیئے۔ اس نے اپنی اس تصنیف میں یورپ کے بعض ملکوں خاص طور سے انگلستان کے سیاسی، سماجی اور معاشی حالات پر مختلف پہلوؤں سے روشنی ڈالی ہے اور اسی کے ساتھ ہندوستان کے ان حالات سے موازنہ و مقابلہ بھی کیا ہے۔

انگلستان سے واپسی کے بعد کچھ عرصہ تک ابوطالب بے روزگار رہا۔ اس کے نیشنل آرکائوز آف انڈیا (NATIONAL ARCHIVES OF INDIA) میں محفوظ شدہ خطوط سے ظاہر ہوتا ہے کہ اس نے اپنی بیوی بچوں کو تقریباً دس سال سے نہیں دیکھا تھا۔ اس کے علاوہ وہ بہت قرضدار بھی ہوگیا تھا۔ تھوڑے عرصہ کے بعد ۱۸۰۶ء میں وہ مئونده (باندہ۔ بندیلکھنڈ) میں تحصیلدار مقرر کیا گیا[1]۔ اور اسی سال تھوڑے ہی عرصہ کے بعد چون سال کی عمر میں اس کا انتقال ہوگیا۔

---

[1] (TR 50, PP 469-73, no 189
Archives
NATIONAL ARCHIVES OF INDIA, NEW DELHI
OR 607. Recd August, 1806
N.A.I. N. Delhi.)

ابوطالب کی تصانیف

ابوطالب کی حسب ذیل تصانیف دست برد زمانہ سے محفوظ ہیں اور اس وقت کچھ مطبوعہ اور کچھ غیر مطبوعہ صورت میں دنیا کے مختلف کتب خانوں میں محفوظ ہیں۔

۱۔ مسیر طالبی فی بلاد افرنجی	(سفرنامہ۔ مطبوعہ[1])
۲۔ خلاصۃ الافکار	(تذکرۂ شعرا۔ غیر مطبوعہ[2])
۳۔ تاریخ آصفی (تفضیح الغافلین)	(تاریخ اودھ۔ مطبوعہ[3])
۴۔ لب السیر و جہاں نما	(تاریخ عالم۔ غیر مطبوعہ[4])
۵۔ دیوان ابوطالب	(غیر مطبوعہ[5])
۶۔ مثنوی سرور افزا یا مثنوی در شرح خصوصیات لندن و انگلینڈ	(مطبوعہ[6])

---

[1] مسیر طالبی فی بلاد افرنجی مصنفہ ابوطالب، کلکتہ ۱۸۱۲۔

[2] INDIA OFFICE LIBRARY MS no 696. DELHI UNIVERSITY m.s no 0164 6L 52 x.

[3] وقائع زمان نواب آصف الدولہ (تفضیح الغافلین) ترتیب و تہذیب عابد رضا بیدار۔ انسٹی ٹیوٹ آف اورینٹل اسٹڈیز، رامپور ۱۹۶۵ رضا لائبریری رامپور مخطوطہ نمبر ۲۱۴۱ جس کی فوٹو کاپی نیشنل آرکائیوز آف انڈیا نئی دہلی میں محفوظ ہے۔
HISTORY OF ASAFUDDAULAH NAWAB WAZIR OF OUDH BY Abu Talib Tr. by W. HOEY, N.W GOVT PRESS, ALLAHABAD 1885

[4] INDIA OFFICE LIBRARY MS no 696, and Delhi UNIVERSITY MS no 0164 6L 52 x.

[5] BODLEIAN (OXFORD) LIBRARY, MS no 1994 and DELHI UNIVERSITY M.S No 0164 6L 52 x

[6] EDINBURGH UNIVERSITY. M.S no 324, BODLEIAN (OXFORD) MS no 1994 and DELHI UNIVERSITY, MS. no 0164 6L 52 x.

۷۔ قصیدہ معراج التوحید یا
قصیدہ فلکیہ مطابق راۓ جدید افرنگ (غیر مطبوعہ)[1]

۸۔ رسالہ در علم اخلاق (غیر مطبوعہ)[2]

۹۔ رسالہ در علم قوافی (غیر مطبوعہ)[3]

۱۰۔ رسالہ در علم موسیقی (غیر مطبوعہ)[4]

۱۱۔ رسالہ در فنون خمسۂ طب (غیر مطبوعہ)[5]

۱۲۔ دیوانِ حافظ (ترتیب و تہذیب، غیر مطبوعہ)[6]

---

[1] EDINBURGH UNIVERSITY, MS no 93;
DELHI UNIVESITY MS no 0164 6L 52X

[2] INDIA OFFICE LIBRARY MS NO 696
DELHI UNIVERSITY MS no 0164 6L 52X

[3] INDIA OFFICE LIBRARY, MS no 696
DELHI UNIVERSITY MS no 0164 6L 52X

[4] INDIA OFFICE LIBRARY MS no 696
DELHI UNIVERSITY MS no 0164 6L 52 X

[5] INDIA OFFICE LIBRARY MS NO 696
DELHI UNIVERSITY MS no 0164 6L 52X

[6] دیوان حافظ (ترتیب و تہذیب ابوطالب) مطبوعہ کلکتہ
مرزا ابوطالب کے حالات اور اس کی تصانیف کا تفصیلی ذکر میری کتاب "مرزا ابوطالب: حالات و کارنامے" میں موجود ہے۔ جو زیرِ طبع ہے۔

تاریخ آصفی

(تفضیح الغافلین)

ابوطالب نے اپنی اس تصنیف میں نواب آصف الدولہ کے عہد حکومت کے واقعات لکھے ہیں۔ مسٹر اسٹوری (MR STOREY) نے اپنی کتاب "PERSIAN LITERATURE — A BIO-BIBLIOGRAPHICAL SURVEY" میں لکھا ہے کہ شاید اس کتاب کا اصل نسخہ موجود نہیں ہے[1] لیکن اس کتاب کا ایک نسخہ مسٹر ولیم ہوئی (WILLIAM HOEY) کو اناؤ کے تعلقدار چودھری دوست علی کے کتب خانہ میں ملا تھا۔ اس نے اس کا انگریزی زبان میں ترجمہ کیا اور "HISTORY OF ASAFUD DAULAH NAWAB WAZIR OF OUDH" کے نام سے یہ ترجمہ ۱۸۸۵ء میں الہ آباد سے شائع ہوا[2]۔ لیکن ہوئے کو جو نسخہ دستیاب ہوا تھا اس کا پتہ نہیں چلتا۔ "تاریخ آصفی" کے دو نسخے اور ہیں اور دونوں رام پور میں ہیں۔ ایک رضا اسٹیٹ لائبریری[3] میں اور دوسرا صولت لائبریری میں۔ رضا لائبریری والے نسخہ کی فوٹو اسٹیٹ (PHOTOSTAT)

---

1. STOREY, C.A — PERSIAN LITERATURE — BIO-BIBLIOGRAPHICAL SURVEY, P879, Luzac Co London.
2. HISTORY OF ASAFUND'DAULH by Abu Talib by HOEY Govt Press Allahabad, 1885.
3. رضا لائبریری۔ رامپور۔ مخطوطہ ۲۱۴۳

اور مائیکروفلم (MICROFILM) کاپیاں نیشنل آرکائیوز آف انڈیا (NATIONAL ARCHIVES OF INDIA) نئی دہلی میں محفوظ ہیں صولت لائبریری والا نسخہ زیادہ اچھا نہیں ہے اور ناقص ہے لیکن اول الذکر اچھا نسخہ ہے۔ حالانکہ اس میں بھی جا بجا الفاظ اور جملے غائب ہیں اور غلطیاں بھی کافی ہیں۔ یہ ۵۲ اوراق پر مشتمل ہے۔ چونکہ ان کے علاوہ کسی اور نسخہ کا اب تک سراغ نہیں لگا ہے اس لئے ترجمہ کے لئے اسی کو پیش نظر رکھا۔ گذشتہ سال عابد رضا بیدار نے رام پور سے اس نسخہ کو شائع کر دیا ہے۔ اور متن کی صحت کے سلسلہ میں صولت لائبریری والے نسخہ کو سامنے رکھا۔

اس کتاب میں تاریخ اودھ، ابوطالب کی سوانح عمری کا کچھ ابتدائی حصہ اور اودھ کے عہدہ داروں و متنظموں کا ذکر ملتا ہے ساتھ ہی ساتھ آصف الدولہ کے زمانہ کے سیاسی، سماجی و معاشی حالات کا جائزہ لیا گیا ہے۔ اس کتاب کی بنیاد ایک روزنامچہ ہے جس میں ابوطالب نے یہ حالات درج کئے تھے۔ بدقسمتی سے اس کتاب کی تصنیف سے قبل یہ روزنامچہ کہیں گم ہوگیا۔ تفضیح الغافلین ابوطالب نے اپنے دوست کپتان رچرڈسن (CAPTAIN RICHARDSON) کے کہنے سے کلکتہ میں تصنیف کی تھی جس کا ذکر انھوں نے اس کتاب کے دیباچہ میں کیا ہے۔ کتاب کے خاتمہ پر مصنف نے اودھ کے انتظام کو بہتر بنانے کے متعلق اپنی رائے ظاہر کی ہے جس کا مقصد سرکار کمپنی کے عہدیداروں کا اودھ کے انتظام میں دخل دینے کے سلسلہ میں رہنمائی کرنا ہے۔

تفضیح الغافلین کے مقدمہ میں ابوطالب نے مرحوم نواب شجاع الدولہ کے قدیم کارکنوں و عہدیداروں کا بھی ذکر کیا ہے جن میں سے کچھ اس وقت تک تک بڑے بڑے عہدوں پر فائز تھے۔ ابوطالب کے خیال کے مطابق شجاع الدولہ

کے زمانہ میں عموماً اچھے خاندان کے لوگوں کو انتظامی معاملات میں ترجیح دی جاتی تھی۔ مثلاً احمد علی نجیب پلٹنوں کی کمان کرتا تھا جو چھ یا سات ہزار سواروں پر مشتمل تھی۔[1] ان پلٹنوں میں صرف اعلیٰ خاندان کے ہی لوگ بھرتی کئے جاتے تھے۔ بقول مصنف آصف الدولہ کے عہد میں اس کے برخلاف کم خاندانی لوگوں کی زیادہ قدردانی ہوئی مثلاً محمد بشیر خاں کی جگہ راجہ جھاؤلال کا تقرر ہوا۔ اسی طرح حیدر بیگ کا نیابت کے عہدہ پر تقرر کیا گیا۔ اس برے برتاؤ کی وجہ سے نواب کے اکثر قدیم ملازموں نے محمد ایرج خاں کی طرح دلی کی راہ لی۔ شجاع الدولہ کے عہد میں بہت سے ہندو عہدہ دار اچھی اچھی جگہوں پر ملازم تھے اور نواب کو ان پر بڑا اعتماد تھا۔ مثلاً جب خیرآباد کے عامل نے بغاوت کی تو نواب نے یہ علاقہ جیند طاتنور کا ستھوں کے سپرد کیا اور فتح سنگھ کیدان کو تین رجمنٹوں کے ساتھ روانہ کیا۔ ان لوگوں نے وہاں پہنچ کر انتظام درست کر کے امن وامان بحال کیا۔[2] جمشید بیگ نواب شجاع الدولہ کے ترک سواروں کو انگریزی طریقہ پر فوجی ٹریننگ دیتا تھا۔ یہ اس سے قبل ابوطالب کے والد محمد بیگ کے پاس گھوڑوں کی ٹریننگ پر مامور تھا۔

جیسا کہ اس کتاب کے عنوان تفضیح الغافلین سے ظاہر ہے اس میں مصنف نے اودھ کے ان "غافل" عہدیداروں پر کڑی تنقید کی ہے جو بڑی بڑی جگہوں پر فائز تھے۔ ابوطالب نے نہ صرف حیدر بیگ (کہ جس کی ماتحتی میں اس نے کام کیا) کی ذاتی جلن کی وجہ سے برائی کی ہے بلکہ اس نے نواب آصف الدولہ پر بھی جگہ جگہ کڑی تنقید کی ہے۔ آکسفرڈ یونیورسٹی کے مشہور تاریخ داں کولن ڈیویس (COLLIN DAVIES) نے لکھا ہے کہ ابوطالب نے حیدر بیگ کے معاملہ میں تعصب سے کام لیا ہے اور اس سلسلہ میں اس پر بھروسہ نہ کرنا چاہیئے۔ لیکن یہ بات بھی

---

[1] تاریخ آصفی صفحہ ۸۔ [2] تاریخ آصفی صفحات ۷۔۶۔

[3] COLLIN DAVIES, C — WARREN HASTINGS AND OUDH, p192, London 1959.

قابل غور ہے کہ اس نے مہاراجہ جھاؤ لال، حکمت رائے اور دوسرے عہدیداروں پر بھی کھل کر نکتہ چینی کی ہے

پروفیسر ہمایوں کبیر نے اپنے پٹنہ کالج کے رسل لکچر (RUSSELL LECTURE) میں ابوطالب کی ان بے لاگ تنقیدوں کو سراہتے ہوئے اس کا مقابلہ کارل مارکس (KARL MARX) سے کیا ہے۔ ان کا کہنا ہے کہ ابوطالب نے کارل مارکس سے کافی پہلے غریبوں کی حالت زار اور ان پر نواب وزیر کے کئے ہوئے ظلم کو اجاگر کیا[1] ۔لیکن واقعہ یہ ہے کہ پروفیسر صاحب نے ابوطالب کو ایسی سند عطا کر دی ہے جس کا وہ حقیقتاً مستحق نہیں ہے۔ اس کو ذاتی طور پر نواب واس کے اہل کاروں سے نقصانات پہنچے۔ دوسرے یہ کہ وہ اپنے انگریز آقاؤں کی جانبداری بھی کرتا ہے کہ جو تمام ہندوستان کو اپنے قبضہ میں لے لینا چاہتے تھے۔

اس کے باوجود ابوطالب نے اپنی اس تاریخ میں بعض ایسے واقعات سے پردہ اٹھایا ہے کہ جو اس سے قبل سامنے نہیں آئے تھے۔ مثلاً اس نے مسٹر چیری کی شخصیت کی غیر جانبدارانہ تصویر کھینچی ہے۔ مسٹر چیری نے بریلی کا انتظام سنبھالنے کے بعد غلام محمد خاں کو غلط مشورہ دیا کہ جس نے اپنے اہل بھائی محمد علی خاں کو ۱۷۹۵ء میں ہلاک کیا تھا[2] ۔ یہ نواب فیض اللہ خاں کا لڑکا اور حافظ رحمت خاں کا پوتا تھا۔

مرزا ابوطالب نے لکھا ہے کہ لکھنؤ اور بنارس میں دلی کے مقابلہ میں زیادہ آمدنی حاصل ہوتی تھی۔ اسی وجہ سے زماں شاہ کی خواہش دلی کے مقابلہ اودھ کے

---

[1] پروفیسر ہمایوں کبیر۔ رسل لکچر (RUSSELL LECTURE) صفحہ ۲۲۔ پٹنہ کالج پٹنہ ۱۹۶۱ ۔

[2] (HOEY, op cit, pp110-14)

شہروں کو لوٹنے کی زیادہ تھی اور دلی کی تمام قیمتی چیزیں لوٹی جا چکی تھیں۔ مصنف نے اس زمانہ کی سماجی اور خصوصاً سب مذہبوں کے ساتھ رواداری کا خاص طور سے ذکر کیا ہے۔ مثلاً یہ کہ الماس علی خاں نے ہندوؤں کے مندر بنواتے کے واسطے بہت سا روپیہ دیا۔ دوسرے یہ کہ نواب آصف الدولہ ہولی کے موقع پر پانچ یا چھ لاکھ روپیہ صرف کیا کرتے تھے۔[1]

اسی کے ساتھ ابوطالب نواب آصف الدولہ پر بہت سخت تنقیدیں کرتا ہے۔ مثلاً یہ کہ نواب کو عمارتیں بنانے کا خبط تھا۔ لکھتا ہے کہ "ہر وہ عمارت کہ جو مکمل ہو جاتی ہے اس میں ایک دو دن جا کر قیام کرتے ہیں پھر وہ خالی پڑی رہتی ہے یہاں تک کہ اس کے اندر نہ رات میں روشنی ہوتی ہے اور نہ دن میں جھاڑو دی جاتی۔ آگے چل کر لکھتا ہے "وزیرالدولہ اس کے مصاحب، عمارتیں بنوانے میں اتنی جلدی کرتے ہیں کہ ان کو اینٹوں اور چونے کے پکنے کی بھی برداشت نہیں ہوتی۔ ہر وہ عمارت کہ جو اس زمانہ میں بنائی گئی ابھی وہ مکمل بھی نہیں ہو پاتی کہ گرنا شروع ہو جاتی ہے۔ چنانچہ نواب کی بنوائی ہوئی اکثر عمارتیں کہ جو شروع میں تعمیر ہوئی تھیں اب ویران ہونے لگی ہیں"[2]

مندرجہ بالا عبارت میں یقیناً ابوطالب نے مبالغہ سے کام لیا ہے۔ نواب آصف الدولہ کی بنوائی ہوئی اکثر عمارتیں عرصہ تک قائم رہیں۔ مصنف کے بقول نواب وزیر کی بنوائی عمارتوں میں امامباڑہ قابل ذکر ہے جس کی آرائش پر ہر سال چار یا پانچ لاکھ روپیہ صرف ہوتا ہے۔ اس سلسلہ میں ایک قریبی ہم عصر انگریز سیاح ولیم ہیبر (William Heber) کی رائے کو بھی فراموش نہیں کیا جا سکتا جو نصیرالدین

William Heber)

---

[1] تاریخ آصفی صفحہ ۳۱۔ [2] تاریخ آصفی صفحہ ۱۷۔

حیدر کے زمانہ میں لکھنؤ آیا تھا۔ اس نے لکھا ہے کہ "لکھنؤ ان دیگر شہروں کے مقابلہ میں ہے کہ جہاں میں گیا کچھ چھوٹے یورپی دارالحکومتوں (مثلاً ڈرسڈن Dresden وغیرہ) سے زیادہ مشابہت رکھتا ہے" آگے چل کر وہ لکھتا ہے "اس وقت سر والٹر اسکاٹ کی فارچونز آف نیگل Fortunes of Nigel میں لندن کی کھینچی ہوئی تصویر میرے ذہن میں آئی . . . . . . آخرکار ہم ایک بہت خوبصورت سڑک میں داخل ہوئے کہ جو آکسفرڈ Oxford یا ہائی اسٹریٹ High Street سے زیادہ چوڑی تھی"[1]

مصنف نے اودھ کے اکثر محکموں کے انتظام میں بدعنوانیوں کا ذکر کیا ہے اس کے بیان کی روشنی میں نواب وزیر کی آدمی فوج جعلی تھی۔ اسی طرح صرف دس فیصدی گھوڑے سواری کے لائق تھے۔ یقیناً اس بیان میں کچھ نہ کچھ سچائی ضرور ہوگی کیونکہ اس عہد کے دوسرے مورخ بھی یہ بات لکھتے ہیں کہ اودھ کا انتظام دراصل کمپنی کے ذمہ داروں کے ہاتھ میں تھا اور آصف الدولہ ان کاموں میں دلچسپی نہیں لیتا تھا۔

ابوطالب کی رائے میں آصف الدولہ کا فیض آباد سے لکھنؤ دارالحکومت منتقل کرنا ایک زبردست غلطی تھی۔ ظاہری طور پر یہ اس نے اپنی دادی سے دور رہنے کی خواہش کی وجہ سے کیا۔ خود اس کے الفاظ ہیں کہ "یہ ایک صریحی غلطی تھی کہ جو اس نے کی۔ کیونکہ فیض آباد کی آب و ہوا لکھنؤ کے مقابلہ میں بہتر ہے۔ لکھنؤ کی زمین اونچی نیچی ہے۔ اور اس کی سڑکیں و بازار بہت تنگ ہیں۔ اس طرح ایک بہت اعلیٰ شہر اس

---

[1] NARRATIVE OF A JOURNEY THROUGH THE UPPER PROVINCES OF INDIA, p 366-67, (London).

[2] تاریخ آصفی صفحہ ۸۸۔

سے بہت کم خرچ میں تعمیر ہو جاتا جتنا کہ لکھنؤ کی تعمیر پر صرف کیا گیا۔ ساتھ ہی ساتھ ریزیڈنٹوں کو بھی کئی قسم کی تکالیف نہ اٹھانی پڑتیں اور اس کا (نواب وزیر کا) اس کے انتخاب کے لئے نام بھی ہوتا۔[1]

مندرجہ بالا بیان کچھ مضحکہ خیز ہے۔ ابوطالب نے نہ صرف نواب اور اس کے عہدیداروں پر ہی نکتہ چینی کی بلکہ اس شہر سے بھی بیزاری کا اظہار کرتا ہے جو اس کی اہلیت کے مطابق اس کی قدردانی نہ کر سکا۔ اس کا نقطۂ نظر ریزیڈنٹوں کی تکالیف کے احساس کی وجہ سے صاف ظاہر ہے۔

بہت کم وہ آصف الدولہ کے کاموں میں اس کی طرفداری کرتا ہے۔ اس کی ایک مثال آصف الدولہ اور وزیر علی[2] کے تعلقات کے ذکر میں ملتی ہے۔ شروع میں آصف الدولہ نے وزیر علی پر بہت سی مہربانیاں کیں، اس کی شادی پر بہت سا

---

[1] تاریخ آصفی صفحہ ۱۰۔

[2] مرزا وزیر علی خاں ایک فراش کے لڑکے تھے جنھیں نواب آصف الدولہ نے اپنا منہ بولا بیٹا بنا لیا تھا۔ ستمبر ۱۷۹۷ء میں نواب آصف الدولہ کی وفات کے بعد انھیں بہ حیثیت نواب اودھ کے لکھنؤ میں مسند نشین کیا گیا لیکن تھوڑے ہی عرصہ بعد یعنی ۲۱ جنوری ۱۷۹۸ء کو گورنر جنرل سرجان شور کے حکم سے ان کو معزول کر کے بنارس بھیج دیا گیا۔ ۱۴ جنوری ۱۷۹۹ء کو انھوں نے وہاں کمپنی کے ایجنٹ مسٹر چیری کو قتل کر دیا۔ بعد میں یہ راجہ جے پور کے وہاں پناہ لینے پہنچے، لیکن راجہ نے انھیں انگریزوں کے حوالہ کر دیا۔ یہاں سے ان کو کلکتہ لے جا کر فورٹ ولیم میں قید کر دیا گیا۔ فورٹ ولیم کے جس کمرہ میں یہ قید تھے اس پر کم کا اثر نہ ہو سکتا تھا اور اس میں لوہے کے جنگلے لگے تھے۔ سترہ سال کی قید تنہائی کے بعد مئی ۱۸۱۷ء میں چھتیس سال کی عمر میں ان کا انتقال ہوا۔

(C.P.C. Vol X, P 232)

* * * * *

روپیہ صرف کیا اور خود آصف الدولہ اس موقعہ پر وزیر علی کے تخت رواں[1] کے سامنے پیدل چلا۔ لیکن بعد میں نواب کے وزیر کی کل جائداد ضبط کرلی کیونکہ وزیر علی اپنی حرم سرا میں کبوتروں اور دوسری چڑیوں کا گلا گھونٹ کر اپنے ملازموں کو ان کا سوگ منانے کی تاکید کرتا اور خود کالے کپڑے پہن کر نواب وزیر کی موت کے شگون کرتا تھا[2]۔

نواب وزیر کی نامردی کا تذکرہ بھی اس کتاب میں ملتا ہے اس کے بیان کے مطابق "بعض اوقات کوئی حاملہ عورت نواب کی سواری کے پاس آکر چلاتی ہے کہ اگرچہ تمہیں یاد نہیں ہے کہ میں تمہارے ساتھ کب سوئی تھی پھر بھی تم اپنے بچے پر رحم کھاؤ کہ جو میرے پیٹ میں ہے۔ وزیر اس کے دعوے کو صحیح تسلیم کرتے ہوئے اسے اپنے حرم میں داخل کر لیتا ہے۔"

علاوہ بریں ابوطالب کچھ کم ذات کے لوگوں کی نواب کے محل میں آمد و رفت پر بھی سخت معترض ہے۔ خود اس کے الفاظ میں "نواب کے کچھ کم ذات خوشامدی لوگوں کو حرم میں آنے کی اجازت ہے اور اس کے لڑکوں کا رنگ کالا ہونا ان کے اعلیٰ نسل کے ہونے کے سراسر منافی ہے۔"[3]

ابوطالب کے خیال میں نواب عام لوگوں سے جلتا تھا۔ اس سلسلہ میں وہ کچھ مثالیں بھی دیتا ہے۔ مثلاً یہ کہ لکھنؤ میں برف نہیں بیچا جا سکتا تھا صرف شاہی محل ہی کو اسے خریدنے کا حق حاصل تھا۔ اسی طرح اس شہر میں کیوڑہ اور

---

[1] تخت رواں۔ ایک قسم کا تخت جسے ملازم کندھوں پہ رکھ کر چلتے تھے تاکہ لوگ اس پر بیٹھنے والے کو ٹھیک سے دیکھ سکیں۔ [2] تاریخ آصفی، صفحہ ۱۰۷۔

HOEY OA cit P 9 [3]

پھول وغیرہ کے بیچنے پر بھی پابندی تھی۔ مجبوراً لوگوں کو کیوڑہ بنگال سے اور پھول جنگلوں سے حاصل کرنے پڑتے تھے[۱]۔ یہ باتیں ہو سکتا ہے کہ صحیح ہوں مگر ساتھ ہی ساتھ یہ بھی یاد رکھنا چاہیے کہ آصف الدولہ کی خوبیوں کی تعریفیں آج تک ہوتی ہیں۔

اس کے باوجود کہ مصنف نے بہت سی باتوں میں جانب داری سے کام لیا ہے پھر بھی بعض جگہوں پر تفضیح الغافلین میں تاریخ دانوں کے لئے بڑے کام کا مواد مل جاتا ہے۔ مثلاً ابوطالب نے اودھ کے بعض علاقوں کی ۱۱۸۸ھ ([illegible]) و ۱۱۹۰ھ (۹۲-۱۷۹۱ء) فصلوں کی جمع و خرچ کے اعداد و شمار اور ان میں ہونے والی کمی و بیشی کو مفصل درج کیا ہے[۲]۔ اس سے اودھ کے علاقوں کی علاقہ وار آمدنی و خرچ کا بخوبی اندازہ ہو جاتا ہے۔

تفضیح الغافلین مصنف کے فراہم کردہ چشم دید حالات پر مشتمل ہے۔ اس کتاب کی سب سے بڑی خامی یہ ہے کہ ابوطالب آصف الدولہ و اس کے افسران کی کمزوریوں کو اجاگر کرتا ہے لیکن ان کی خوبیوں کو نہیں سراہتا۔ بعض اوقات یہ ذاتی معاملات پر زیادہ توجہ دیتا ہے جو اس کتاب کی ایک خاص کمزوری ہے۔ اسے پڑھتے وقت یہ چیز ذہن میں رکھنی چاہیئے کہ عماد السعادت[۲] اور دوسری کتابوں کی طرح یہ انگریزوں کے کہنے سے لکھی گئی اور اس وقت انگریزی حکومت کا ذہن اودھ کے ضبط کرنے کے لئے اس کے لئے خلاف الزامات کا مواد فراہم کرنے میں مشغول تھا تاہم یہ حقیقت ہے کہ اس عہد میں اودھ کی سلطنت کے سیاسی اور معاشرتی حالات کے بہت سے اہم گوشوں پر اس وقت تک روشنی نہیں پڑ سکتی جب تک کہ ابوطالب کی یہ کتاب پیش نظر نہ ہو۔ اس کی اہمیت بہرحال مسلم ہے اور عہد آصف الدولہ کے اودھ کو سمجھنے کے لئے اس کا مطالعہ ناگزیر ہے۔

---

[۱] تاریخ آصفی، صفحہ ۷۹ ۔ [۲] عماد السعادت، مطبوعہ نولکشور پریس لکھنؤ۔

دیباچہ مُصنّف

ذرہ بے مقدار ابوطالب بن محمد بیگ اصفہانی نکتہ دانوں کی خدمت میں یہ عرض کرتا ہے کہ ۱۲۱۱ ہجری میں میرے کلکتہ کے دوران قیام میں کیپٹن رچرڈسن (کرجو نیک بخت اور ممتاز شخصیت کے حامل ہیں) نے مجھ حقیر (ابوطالب) سے یہ فرمائش کی کہ آصف الدولہ کے زمانہ کے حالات کو ضبطِ تحریر میں لایا جائے تاکہ اس زمانے کے جستہ جستہ واقعات جو غیر معتبر لوگوں سے سننے میں آتے ہیں نگاہ کے سامنے آجائیں۔ اس محترم دوست کی رائے سے متفق ہو کر میں نے ان اوراقِ پریشاں کو یکجا کیا۔

واضح ہو کہ تاریخ نویسی علم کی ایک بہت بڑا اہم شاخ ہے۔ آج کل روزناموں وغیرہ کی غیر موجودگی کی وجہ سے اگر لوگ میری یادداشت میں غلطی پائیں تو امید ہے کہ مجھے معاف فرمائیں گے۔

چونکہ عالم کون و فساد کا سلسلہ ایک دوسرے سے ملا ہوا ہے اس لئے مقصد کے شروع کرنے سے پہلے میں نواب شجاع الدولہ کے زمانے کے بعض ملازمین کا حال لکھتا ہوں تاکہ پڑھنے والوں کو ان کے بعد میں آنے والے ناموں کو پہچاننے میں آسانی رہے۔

ہزار و دو صد و دہ بود و دو، ز سال عرب
کہ گشت نسخۂ تفضیح غافلین سپری

اگرچہ سادہ بود از نگار صنعت لفظ
مضائے آں کہ بس لپشت زینت صوری

ولے چو سادہ منادی کہ خویشش بے ساخت
ہزار نقش دراں سادگی و جلوہ گری

عبارتش بروانی چو آب و معنیٔ آں
چو آتش است ز شوخی و چستی و طرزی

برائے معجزۂ خامہ ام بس ایں برہاں
کہ جمع گشت دو صد در بیک لباس دری

قلم ز چرب زبانی نمود تسویدش
دگر نہ مضمحل ورق ز فرط طری

فروغ صدق پدید از جبین ہر حرفش
چنانکہ نور ز طرف ستارۂ سحری

یکے چرا نبود ہمچنیں کہ راقم را
نہ سم لدیمی نہ ظرف ماحی نظری

بروزگار نہ شد ثبت فعل شوم بتاں
سزائے آنکہ نبودند باکیاں نہ خری

بماند زینت رخسار نام شاں ایں خال
اگرچہ ماشطہ بودہ وضیع آں کفری

کشید رغبت آں سمیع سخن ریزم
چو من قلم زدہ بودم بنام شاں زمری

دعائے خیر ز خوانندگاں طمع دارم
کہ ایں سطور زما یادگار و اگذری

مقدمہ

نواب شجاع الدولہ کی وفات کے وقت ان کے تین بیٹے بالغ اور عوام کی نگاہوں میں قابل اعتبار تھے۔ سب سے بڑے بیٹے آصف الدولہ[1] عرف مرزا امانی تھے جو نواب بیگم کے بطن سے تھے۔ وہ باپ کے زمانہ ہی میں ولیعہدی کے لئے نامزد ہو چکے تھے۔ باپ کی طرح علحدہ دربار کرتے تھے۔ باپ بیٹے کے درمیان ملکی انتظامات کے سلسلہ میں خط وکتابت ہوتی تھی۔ حکومت کا نظم ونسق سید مرتضیٰ خاں طباطبائی کے سپرد تھا کہ جو آخر میں مختار الدولہ[2] کے لقب سے مشہور ہوا۔ مختار الدولہ نواب مصطفیٰ خاں

---

[1] نواب آصف الدولہ نواب شجاع الدولہ کے سب سے بڑے لڑکے تھے۔ اپنے باپ کی وفات کے بعد ۱۱۸۸ ہجری (۱۷۷۵ عیسوی) میں یہ تخت نشین ہوئے۔ انھوں نے لکھنؤ کو اپنا دارالحکومت بنایا۔ ۲۳ قمری سال حکومت کرنے کے بعد ۲۸ ربیع الاول ۱۲۱۲ ہجری (۲۱ ستمبر ۱۷۹۸ ع) کو وفات پائی۔ یہ لکھنؤ کے امامباڑہ میں مدفون ہیں۔

(BEALE, op cit, P 55)

[2] نائب مختار الدولہ۔ نواب آصف الدولہ کے تخت نشین ہونے کے بعد سید مرتضیٰ خاں مختار الدولہ کو نائب مقرر کرکے انتظامی امور اس کو دیدیے لیکن مختار الدولہ اپنی بدمزاجی کی وجہ سے کافی بدنام ہوا۔ مارچ ۱۷۷۶ء میں اسے قتل کرادیا گیا۔ (C.P.C Vol VII, P 278)

کا بھتیجا تھا۔ یہ نواب وزیر کے خاندان سے دیرینہ تعلق رکھتا تھا اور ان کے اعزہ میں سے تھا۔ ہندوستان میں کبھی محمد شاہ کے ساتھ اور کبھی صفدر جنگ کی ماتحتی میں ملکی خدمات انجام دے چکا تھا۔

دوسرا بیٹا مرزا سعادت علی[1] باپ کی وفات کے وقت بیس ہزار سوار و پیدل فوج کے ساتھ اس علاقے (بریلی) میں رہتا تھا جو چند مہینے پہلے روہیلوں کے مقابلہ میں فتح ہوا تھا۔ اس علاقہ کا ملکی اور فوجی انتظام ایک حبشی غلام محمد بشیر خاں کے سپرد تھا اور تفضل حسین خاں[2] صاحبزادہ (سعادت علی خاں) کے اتالیق و استاد تھے۔ تفضل حسین

---

[1] نواب سعادت علی خاں یمین الدولہ کو ۲۱ رجنوری ۱۷۹۸ء میں آصف الدولہ کی وفات و وزیر علی کو ہٹانے کے بعد گورنر جنرل سر جان شور نے مسند نشین کرایا۔ انھوں نے تقریباً ۱۷ سال حکومت کی، اور ۲۲ رجب ۱۲۲۹ ہجری (۱۱ رجولائی ۱۸۱۴ء) کو ان کا انتقال ہوا۔ انگریزوں سے معاہدہ کے تحت ان کو ۷۶ لاکھ روپیہ کمپنی کو دینا طے پایا نیز دس ہزار اس انگریزی فوج کا خرچ بھی ان کو برداشت کرنا پڑتا تھا کہ جو اودھ میں تھی۔ ۱۲ لاکھ روپیہ کمپنی نے نواب سے ان کو مسند کرانے کے سلسلہ میں حاصل کیا۔

(BEALE, *op*, *cit*, p 227).

[2] تفضل حسین خاں کو ۱۷۸۸ء عیسوی میں نواب وزیر کا وکیل بنا کر بھیجا گیا۔ ۱۷۹۷ء عیسوی میں یہ گورنر جنرل سر جان شور کے ساتھ لکھنؤ واپس آئے اور اسی سال ان کو نواب وزیر کا نائب مقرر کیا۔ یکم مارچ ۱۸۰۱ء میں ان کا انتقال ہو گیا۔ (C.P.C, Vol VIII, p 125)

تفضل حسین خاں کشمیری کو علامہ بھی کہتے ہیں۔ وہ ایک جید عالم تھے۔ انھوں نے ایک کتاب جغرافیہ پر اور دوسری الجبرا پر لکھی۔ موصوف آصف الدولہ کی وفات سے کچھ عرصہ پہلے نیابت کا عہدہ حاصل کیا۔ سعادت علی خاں کے زمانہ میں کلکتہ گئے۔ کلکتہ سے مرشد آباد جاتے ہوئے راستہ میں ان کا بتاریخ شوال ۱۲۱۵ ہجری کو انتقال ہو گیا۔ ان کی وفات پر شاد معمد اجمل الہ آبادی نے ایک پر درد نظم لکھی۔ (بیل۔ ٹی ڈبلو۔ مفتاح التواریخ ص ۳۴۱ مطبوعہ نولکشور پریس لکھنؤ)

خاں کا مختصر تعارف یہ ہے کہ وہ لاہور میں پیدا ہوئے۔ ان کے باپ وہیں کے رہنے والے تھے اور ان کے دادا اکرم اللہ خاں لاہور کے صوبہ دار معین الملک کی طرف سے بادشاہ کے دربار میں وکیل تھے۔ تفضل حسین خاں اس طرف کی تباہی کے بعد نواب شجاع الدولہ کے آخری زمانہ میں اودھ آئے اور یہاں کی سرکار سے وابستہ ہوگئے۔

تیسرا بیٹا مرزا جنگلی[1] کہ جو غیرت، شجاعت اور تحمل کی خوبیوں سے آراستہ ہے اپنے بڑے بھائی کے ساتھ رہتا ہے۔ نیابت کے فرائض محمد ایرج خاں انجام دیتا ہے جو ابتدا میں لشکر کے بازار کا داروغہ ہوگیا تھا اور وہاں سے ترقی کرکے نیابت کے عہدہ تک پہنچا۔ یہ بات ذہن میں رکھنا چاہیے کہ صفدر جنگ کے زمانہ سے اس وقت سوائے مختار الدولہ کے کہ جو بڑے لوگوں میں سے تھا ہمیشہ معمولی آدمی نواب وزیر کے نائب ہوئے۔

دفتری کاروبار اور حکام سے محاسبہ کا کام صورت سنگھ[2] اور ان کا داماد راجہ جگناتھ انجام دیتا تھا۔ صورت سنگھ بڑا دیانت دار اور کاموں کو سمجھنے والا تھا کیونکہ راجہ مہانرائن کا اخلاق نویس اور ہم قوم ہے اور راجہ مذکور نواب مرحوم کا دیوان ہے کہ جو بعد میں نائب ملک ہوگیا تھا۔ مشہور ہے بہادر راجہ مہانرائن کا صراحی بردار تھا اور مہانرائن رام نرائن کا بیٹا ہے۔

---

[1] نواب شہامت خاں عرف مرزا جنگلی نواب شجاع الدولہ کے لڑکے تھے۔ (کمال الدین حیدر۔ تاریخ سلاطین اودھ صفحہ ۳)، (C.P.C, Vol VIII Index P 43)

[2] راجہ صورت سنگھ نواب وزیر اودھ کا موروثی دیوان تھا۔ ۱۷۶۶ء میں یہ بریلی ڈویژن کا کلکٹر تھا جس کی آمدنی اس عرصہ میں تقریباً ستر لاکھ تک پہنچ گئی۔ ۱۷۸۰ء عیسوی میں اس کا تقرر سردار میں ہوا۔ ۱۷۸۳ء میں (۱۷۸۳) کا تقرر بریلی میں دوسری مرتبہ ہوا۔ اور یہ اس پر ۱۷۸۵ء میں اپنی وفات تک کام کرتا رہا۔ اس کے بعد یہ عہدہ اس کے داماد راجہ جگناتھ کو ملا۔

(C.P.C Vol VII. P 4)

وہ اور اس کا بھائی پرتاب سنگھ صفدر جنگ کا دیوان رہا ہے۔ وہ دونوں آتمارام کھتری کے بیٹے تھے جو برہان الملک کا دیوان رہ چکا تھا۔ اس وقت کے اہلِ قلم میں امانت اور دیانت داری کے اعتبار سے دفتری امور میں ان کے علاوہ کوئی دوسرا نہیں ہے۔

پیدل اور سوار فوج کا انتظام محمد بشیر خاں کے سپرد تھا۔ گویا وہ ایرج خاں کی طرح دوسرا نائب تھا کیونکہ بعض حکام اس سے وابستہ ہوئے اور کچھ محمد ایرج خاں سے تعلق رکھتے تھے وبعض دونوں میں سے کسی سے بھی تعلق نہیں رکھتے تھے۔ چونکہ نواب مرحوم خود معاملات کو سمجھ لیتے اسی لئے نائبین حکومت بے اختیار تھے۔

خزانہ اور سپاہیوں کے حساب چکانے کا انتظام تیر چند بقال کے ذمہ تھا کہ جو ذوقی مل کا بھتیجا تھا۔ وشیخ ابوالبرکات خاں بخشی ان کی ماتحتی میں یہ کام انجام دیتا۔ شیخ ابوالبرکات کاکوری کے شیخ زادوں میں سے تھے وبڑے تجربہ کار تھے۔ اب بھی ان کے اعزہ میں شیخ معز الدین خاں لکھنؤ کے منتخب لوگوں میں سے ہیں۔ اس کے علاوہ چند اور آدمی جو علم، تجربہ، ملک وفوج کے انتظام کے لئے مشہور ہیں اسی زمانہ میں ہیں۔

پیادہ فوج کے سرداروں میں جیتماتی خواجہ بسنت علی خاں میجلاک لطافت علی خاں اور خواجہ محبوب علی کو جنرل کے عہدہ پر مقرر کیا داندرونی خزانہ کی حفاظت بہار علی خاں اور جواہر علی خاں کے سپرد کی۔ خواجہ عنبر علی خاں کو جو کہ بڑی خوبیوں سے آراستہ تھے سفری توشک خانہ اور باورچی خانہ کی خدمت سپرد ہوئی۔ مولوی فضل عظیم خاں حسن رضا خاں کی ماتحتی میں بڑے باورچی خانہ کے نگراں مقرر ہوئے۔ نواب کے اعزہ میں سے مرزا علی خاں اور سالار جنگ کوئی خدمت انجام نہ دینے کے باوجود بھی بڑی شان وشوکت سے رہتے تھے۔ اور اہم معاملات پر مشوروں میں دخل دیتے تھے۔ یہ بات ذہن میں رکھنا چاہیئے کہ یہ دونوں بھائی محمد اسحٰق خاں شوستری کے بیٹے ہیں جو محمد

شاہ[1] کے زمانہ میں ندیم بیگی (مسخرا) ومزاح دانی کی تقریب سے سامنے آئے تھے۔ گویا کہ غیرت اور پاکبازی کا نام بھی اس خاندان میں نہیں ہے۔

"ایں خانہ ہمہ آفتاب است"

نواب صفدر جنگ کے خاندان ولکھنؤ کے لوگوں کو انھوں نے بگاڑا ہے۔ نواب کے مقربین میں سے ایک حسن رضا خاں ہے جس نے نواب کی بعض خدمات انجام دی ہیں اور نواب شجاع الدولہ مرحوم کے ساتھ بڑی خصوصیت رکھی۔ یہ گویا ان کی زبان تھا اس لئے کہ اکثر احکامات اسی کے ذریعہ سے لوگوں تک پہنچتے تھے۔ یہ حسن رضا خاں کلب علی خاں کا بھانجہ تھا جو بادشاہ کا منصب دار اور شاہجہاں آباد کا معزز آدمی تھا۔ برہان الملک نے ہندوستان آنے کے بعد اس خاندان کی لڑکی سے شادی کی اور شہرت ونام آوری حاصل کی۔ سعادت علی خاں کی بیٹی جو مرحوم نواب شجاع الدولہ کی ماں ہیں۔ اسی خاندان کی ایک کنیز تھیں جن کی شادی جہاز میں ہوئی تھی۔ برہان الملک تمام عمر حق ادا کرنے کے خیال سے اس خاندان کی خدمت کرتا رہا۔ لیکن صفدر جنگ اس خیال سے کہ اس کے خاندان کے جوان اس کی بیوی کو حقارت کی نظر سے دیکھتے تھے ان سے منہ چھپاتا تھا۔

ان کے دو بیٹے بندہ علی خاں اور ابراہیم علی خاں اب لکھنؤ میں ہیں وہ انھیں کلب علی خاں کے چچازاد بھائی ہیں۔ اس کے علاوہ تقریباً دو سو کم حیثیت لوگ کلب علی خاں کی اولاد میں سے لکھنؤ میں ہوں گے۔ محمد ابراہیم خاں بادشاہی منصب دار برہان الملک

---

[1] محمد شاہ شہنشاہ دہلی کا اصل نام روشن اختر تھا۔ وہ جہاندار شاہ کے بیٹے تھے۔ یہ ۱۱۱۴ ہجری (۱۷۰۲ء) میں پیدا ہوئے۔ ۱۱۳۱ ہجری (۱۷۱۹ء) میں یہ تخت نشین ہوئے۔ محمد شاہ نے تیس قمری سال چھ مہینے حکومت کی اور سرہند میں احمد شاہ ابدالی سے لڑائی کے بعد ۱۱۶۱ ہجری (۱۷۴۸ء) میں وفات پائی۔

BEALE, op cit P 192)

کے ابتدائی زمانہ سے بہت معزز ہیں دلکھنؤ میں نیک نام ہیں۔ وہ حسن رضا خان کے چچا تھے اور لکھنؤ کی کوتوالی و حرم سرا کی حفاظت اور برہان الملک و صفدر جنگ کے خزانوں کی نگہداشت پر مقرر تھے۔ لیکن حسن رضا خاں اس عزیز داری کو پیش نظر نہ رکھتے ہوئے نواب شجاع الدولہ کی خدمت ایک معمولی دربان کی حیثیت سے کام کرتے تھے۔ یوں اسی سبب سے نواب کے دل میں جگہ کر لی۔ وہ محنتی اور عزت دار آدمی تھے۔ سپہ گری اور دوسرے ہنر جانتے تھے۔ وہ سپاہیوں کے گروہ میں اپنی رائے کی متانت اور وقار رکھتا ہے۔ جو بیوقوفی، فضول خرچی) اور بدنامی اس کے متعلق لوگوں میں مشہور ہے اس وجہ سے ہے کہ وہ پڑھا لکھا نہیں ہے اور ملکی معاملات سے بے خبر ہے کون شخص ہے کہ جس کو تیز کرنے کے لئے کوڑا نہ درکار ہو اور وہ بے فکری کی طرف مائل نہ ہو جائے لیکن کم عزتی دنیاداری ہے۔ حکام میں دونوں گسائیں، نورروز علی خاں اور محمد ناصر خاں حبشی باعزت ہیں۔ کیونکہ

لہ یعنی انوپ گیر گسائیں داس کا بھائی امراؤ گیر گسائیں راجہ ہمت بہادر انوپ گیر گسائیں کا خطاب تھا۔ یہ پیدائشی برہمن تھا۔ اس کی بیوہ ماں نے بہت کم عمری ہی میں اس کے بڑے بھائی امراؤ گیر کے ساتھ ایک قحط کی وجہ سے ناگا گسائیں راجندر گیر کے ہاتھ فروخت کر دیا تھا کہ جو نواب وزیر کی ملازمت میں تھا۔ راجندر گیر نے ان دونوں بھائیوں کی پرورش کی اور اس کے انتقال کے بعد ان کو اس کی فوج کے انتظام پر مقرر کیا گیا ۱۷۶۲ء میں راجہ ہمت بہادر شجاع الدولہ کے حکم سے بندیلکھنڈ کے راجہ ہندوپت سے لڑا۔ اسی طرح ۱۷۶۴ء میں اس نے آقا کی طرف سے بکسر کی جنگ میں حصہ لیا۔ شجاع الدولہ کی وفات کے بعد ان کو اودھ کی ملازمت سے علیحدہ کر دیا گیا اور ۱۷۷۶ء میں نجف خاں کی ملازمت اختیار کی اور بعد میں مہاداجی سیندھیا کے عروج کے وقت تک نجف خاں کے خاندان کی خدمت کرتے رہے۔ سیندھیا نے پہلے تو ہمت بہادر سے دوستی کی لیکن بعد میں ان میں ان بن ہو گئی۔ اور یہ طے پایا کہ وہ بندابن میں ایک جاگیر میں جا کر رہے۔ لیکن کچھ عرصہ کے بعد امراؤ گیر نے سیندھیا کے خلاف بغاوت کی جس میں اس کے بھائی (باقی اگلے صفحہ پر)

گسائیں تقریباً بیس ہزار سوار و پیادے وغیرہ اپنے رسالہ میں رکھتا ہے اور دوآبہ کے علاقہ میں کوڑا سے انوپ شہر تک ان کی عملداری ہے۔ نوروز علی خاں سات، آٹھ ہزار سوار اور پیادوں کے ساتھ سلطان پور، پرتاب گڈھ، اکبرپور اور الہ آباد کے سرکشوں کی گوشمالی کے لئے مقرر ہے۔ محمد ناصر خاں حبشی پانچ، چھ ہزار سواروں و پیادوں کے ساتھ سرکش راجاؤں کے تدارک کے لئے کہ جو دریائے گھاگھرا اور پہاڑوں کے درمیانی علاقہ میں واقع ہے، قیام کئے ہوئے ہے مذکورہ لوگوں میں سے نوروز علی خاں ایک قدیم اور خانہ زاد غلام ہے اور دونوں گسائیں اندر گیر کے چیلے ہیں جو احمد خاں بنگش اور عماد الملک کی لڑائی میں صفدر جنگ کی بڑی محنت اور جانفشانی سے خدمت کر چکا تھا۔

الماس علی خاں[1] اور حیدر بیگ خاں تمام حکام میں امتیاز رکھتے ہیں۔ صوبہ کے

---

[1] الماس علی خاں ایک ہندو نومسلم تھا۔ بعد میں یہ دربار آصف الدولہ کے سب سے باثر اور مالدار خواجہ سرا ہوا۔ بہت عرصہ تک یہ اٹاوہ میں نواب وزیر کا گورنر رہا اور اس نے بہت سے عامل پھپھوند، اٹاوہ و کدر کوٹ میں مقرر کئے آخر الذکر جگہ پر اس نے ایک محل و قلعہ تعمیر کرایا تھا اور کبھی کبھی وہاں دربار کرتا تھا۔ وہ بہت غریب نواز تھا اور اس کی آمدنی کا بڑا حصہ لوگوں کی بہبودی میں صرف ہوتا تھا۔ ۱۸۰۸ء میں اس کا انتقال ہوا۔

(C.P.C, Vol VII, P 4: DIST GAZETTER OF ETAWAH)

(حاشیہ پچھلے صفحہ کا) نے اس کا ساتھ دیا۔ بعد میں انھوں نے نواب وزیر سے دوبارہ اس کی ملازمت کی درخواست کی جو کہ منظور ہو گئی اور یہ برابر سیندھیا کو تنگ کرتے رہے۔ بعد میں ۱۸۰۳ء میں ہمت بہادر نے تین ہزار ...... دو ہزار ..... اور بیس توپوں کے ساتھ علی بہادر کی بندیلکھنڈ فتح کرنے میں مدد کی۔ ان خدمات کے بدلے میں اسے بندیلکھنڈ کا کچھ علاقہ، جمنا کے قریب کا کچھ علاقہ اور کالپی کا قصبہ دیا گیا۔ جہاں کہ اپنی وفات یعنی جنوری ۱۸۰۴ء تک قیام کیا۔

(C.P.C, Vol VII, P 17 Sucar. Sir J N. FALL OF THE MUGHAL EMPIRE, Vol III)

تمام حکام کا ذکر کرنا طوالت کا باعث ہوگا اس لئے کہ اس طرح کے ہزاروں اور لوگ بھی خدمت انجام دے رہے ہیں جن سے کہ میں واقف ہوں۔

نواب مرحوم اپنی عملداری سے بہت ہوشیار اور باخبر رہتے تھے۔ مثلاً ایک بار خیرآباد کے عامل کے متعلق وہاں کے زمینداروں نے شکایت کی کہ جس نے ان کے مکان کی خوبصورتی اور بڑائی کے سبب سے ان سے کچھ بیجا درخواست کی تھی۔ نواب بہت رنجیدہ ہوئے وحکم دے کر سات کائستہ منشی کہ جو لوگوں کے خطوط لکھنے کا کام کرتے تھے بازار سے پکڑ بلوائے اور ان ساتوں کو خیرآباد کا ایک ایک محال دے کر رخصت کر دیا۔ تاکید ان پرشاد سنگھ کو تین پلٹنوں کے ساتھ ان کی مدد کے لئے مقرر کیا۔ یہ اس لئے کہ جو اپنی غلطی کا اعتراف نہ کرے اسے سزا دیں اور خط وکتابت کے ذریعہ ان کی رہنمائی کی۔ چند سال تک ان کو وہاں کام میں مشغول رکھا۔ اس طرح وہاں کی آبادی، خرچ ومالگذاری میں اضافہ ہوا اور تمام کام پہلے کی طرح بخوبی انجام پانے لگے۔

فوج کے سرداروں میں سے ایک جلال الدین خاں تورانی بھی تھے کہ جن میں سرداری کی تمام خوبیاں تھیں اور دو ہزار اچھے گھوڑوں والے مغل سواران کے رسالہ میں تھے۔ دوسرے مرتضیٰ خاں بڑیچ (مصطفیٰ خاں کے بیٹے) سواروں کی پلٹن کے سردار اور اچھے سوار تھے۔ قاسم خاں منڈل دوسرے پانچ، چھ ہزار مغل سردار مشارٌالیہ کو سرداری کی نظر سے دیکھتے ہیں۔ جمشید بیگ وخواجہ نعمت اللہ کے پاس دو ہزار عمدہ گھوڑوں والے سوار تھے کہ جو انگریزی قواعد اور طریقے سیکھے ہوئے تھے۔ جمشید بیگ جاٹ زمینداروں کی قوم سے تھا۔ یہ بچپن میں میرے والد کے ہاتھ لگ گیا تھا۔ دان کے غلاموں کے ساتھ عزت سے تربیت پائی تھی۔ جب کبھی والد کی خدمت میں پریشان ہو جاتا تو آقا طاہر کے پاس کہ جو میرے والد کے دوست اور سرکار کمپنی بہادر کے ملازم تھے جا کر چند مہینے بسر کرتا اور وہاں ترک سواروں کو قواعد سکھاتا تھا۔ جب والد اور آقا طاہر دونوں کا انتقال ہو گیا

تو ترک سوار بہ حکم کاؤنسل ملازمت سے برطرف کر دیئے گئے۔ اس وقت وہ نواب کی سرکار میں ملازم ہوگیا اور دو ہزار ترک سوار اس کے حکم سے منظم کئے۔ وہ بڑا لائق سردار تھا۔ ان کے علاوہ تین چقماقی کمپو (ڈویژن) تھے جن میں سے کچھ کی سرداری بسنت علی خاں کرتا تھا اور باقی دوسرے مشہور سرداروں کے ساتھ تھے۔ میر احمد نجیب بٹالین کی کمان کرتا تھا کہ جس میں سات آٹھ ہزار سوار تھے۔ یہ سب آدمی تجربہ کار، ساز و سامان و اچھی قابلیت رکھتے تھے۔ میر احمد نے ان کو آداب و قانون سکھلائے تھے۔ اس نے شریف لوگوں کو جمع کیا تھا۔ اور فتیلہ والی بندوقیں ان کو دے کر مختلف اصطلاحات اور حرکات کے ذریعہ قواعد سکھائی تھی وان میں انگریزی پلٹنوں کی طرح عہدیدار اس زمانہ میں مقرر کیے۔ وہ توپ اور بندوق بڑی تیزی اور ہوشیاری سے چلاتے تھے۔ اس کے علاوہ دوسرے بہت سے سردار ہیں مثلاً شیخ احسان اور بالا راؤ مرہٹہ وغیرہ کہ جن کا ذکر کرنا زیادہ مفید نہیں ہے۔ غرضکہ ان مرحوم نواب وزیر کا عملہ ہوشیاری، تیزی اور ان خوبیوں سے خالی نہ تھا کہ جن کے ذریعہ اپنے کام کو بخوبی انجام دے سکیں۔ جیسا کہ معلوم ہو گا تھوڑے ہی دنوں میں سب برخاست کر دیے گئے اور ان کی جگہ پر قصداً غرض مندحکام اس حد تک سامنے آئے کہ اس صوبہ میں قحط الرجال ہو گیا۔

آغاز وقائع آصف الدولہ

اب وقائع کا آغاز کیا جاتا ہے۔ معلوم ہونا چاہیئے کہ نواب شجاع الدولہ کی وفات ذی قعدہ ۱۱۸۸ ہجری کی آخری تاریخوں میں ہوئی۔ جبکہ نیا سال شروع ہونے میں ایک مہینہ رہ گیا تھا۔ اس دن فیض آباد کے لوگوں پر ایک بہت بڑی مصیبت آئی تھی چنانچہ سیاہ وسفید اور چھوٹے و بڑے لوگوں میں سے کوئی بھی ایسا نہیں تھا جو متاثر اور غمگین نہ ہو۔ ابھی تجہیز و تکفین سے فراغت بھی نہیں کی تھی کہ ولی عہد موقعہ (تخت نشینی) کی فکر میں پڑ گئے۔ سالار جنگ، مرزا علی خاں و دوسرے عہدے داروں کو جنازے کے ساتھ جاتے ہوئے واپس بلا لیا۔ اور حکومت کی مسند پر بیٹھنے کا ارادہ کیا۔ سب نے عرض کی کہ خدا کے فضل سے کوئی دوسرا سلطنت کا دعویدار موجود نہیں ہے اور ملازم و اعزہ انگریزوں کی وفاداری کا علم رکھنے کے باعث سب کے سب فرماں برداری پر آمادہ ہیں۔ اگر اس کام میں جلدی نہ کی جائے تو بہتر ہوگا۔ انگریز سرداروں میں کرنل کالنس[1] اور مسٹر کنوای بھی ان لوگوں

---

[1] جان کالنس John Collins (متوفی ۱۸۰۶ء) یہ ۱۷۷۰ء میں ایسٹ انڈیا کمپنی کی فوج میں ہوئے۔ ۱۷۹۲ء میں انھوں نے میجر کا عہدہ حاصل کیا۔ ۱۷۹۵ء سے ۱۸۰۳ء تک یہ دربار سیندھیا میں ریزیڈنٹ رہے لیکن یہ سیندھیا کو انگریزوں سے لڑائی کرانے سے نہ روک سکے۔ بعد میں یہ ایک مشن پر ۱۷۹۹ء میں جے پور بھیجے گئے۔ مرہٹوں سے لڑائی کے خاتمے پر یہ اودھ میں ریزیڈنٹ مقرر ہوئے۔ ان کا انتقال ۱۱ جون ۱۸۰۶ء کو لکھنؤ میں ہوا۔ یہ "بادشاہ کالنس" کے نام سے مشہور تھے۔ اس کی بے جھجھی اور تحکمانہ انداز کو (باقی اگلے صفحہ پر)

نواب آصف الدولہ

۱۷۷۵ تا ۱۷۹۷

میں سے تھے جنھوں نے تاخیر کو بہتر خیال کیا لیکن انھوں (آصف الدولہ) نے قبول نہیں کیا اور زیادہ اصرار کیا۔ یہاں تک کہ سب مجبور ہو گئے[1] اور ان کا حکم مان لیا۔ انھیں دنوں میں میر مرتضیٰ کو نائب کل مقرر کر کے ان کو ہفت ہزاری منصب عطا کیا اور صاحب نوبت بنایا۔ جھاؤلال کو کہ جو فیض آباد کے گمنام زادوں میں سے تھا محلوں کے انتظام کے لیے مقرر کیا۔ اسے ایک عمدہ رسالہ دیا اور دربار کی بعض خدمات سپرد کر کے محمد بشیر خاں کا قائم مقام بنایا۔ نواب نے چند تلنگوں کو جو اس کی اردلی میں حاضر رہتے تھے راجہ کے خطابات دیے اور ماہر فوج کے رسالے و بہت سے انعامات دیے جن کے وہ بالکل مستحق نہ تھے۔

ان حرکتوں کو دیکھ کر نواب مرحوم کے قدیم ملازمین نا امید ہو کر اپنے معاملات کی فکر میں پڑ گئے۔ سب سے پہلے محمد ایرج خاں بادشاہ دہلی سے حصول اسناد کا بہانہ کر کے باہر چلا گیا۔ اس نے وہاں پہنچ کر اس کام کو توقف میں رکھا اور ذوالفقار الدولہ کے ساتھ تعلق

---

[1] امیر الامرا، نواب ذوالفقار الدولہ مرزا نجف خاں بہادر غالب جنگ (۱۷۳۷ - ۸۲) شہنشاہ شاہ عالم کا وزیر اعظم و (ریجنٹ) تھا۔ یہ ایران میں پیدا ہوا اور ہندوستان چلا آیا۔ اس کی بہن کی شادی مرزا محسن سے ہوئی تھی کہ جو نواب صفدر جنگ کے بھائی تھے۔ پہلے پہل ان کو شاہ عالم نے اپنا بخشی مقرر کیا۔ اس وقت یہ الہ آباد سے دہلی آ گئے تھے اور دربار میں ان کی بڑی مان دان تھی ان کے زمانہ میں شہنشاہ کی سلطنت میں نسبتاً امن و امان رہا۔ ان کا انتقال ۶ اپریل ۱۷۸۲ء کو ہوا۔

(-C. P. C, Vol VII, P 9-)

* * * * * *

(پچھلے صفحے کا حاشیہ) برداشت نہ کر کے میکفرسن نے اس کے ماتحت کام کرنے سے انکار کر دیا تھا۔

(BUCKLAND. op cit, P 89.)

قائم کیا۔ چنانچہ تھوڑے ہی عرصہ میں اس کی طرف سے صوبہ اکبرآباد کا نائب ہوگیا۔ آصف الدولہ نے اس کا باہر ہونا مناسب سمجھا اور اس کے حال کی طرف کوئی توجہ نہ کی۔ آصف الدولہ اپنی دادی کی قربت کی وجہ سے جو کہ ان کو ایسی حرکتوں سے روکتی تھیں فیض آباد کے مقام کو ناموافق جان کر لکھنؤ منتقل ہوئے اور اس کی تعمیر شروع کی یہ بھی اس کی فاحش غلطی تھی اس لئے کہ لکھنؤ کے مقابلہ میں فیض آباد کی آب و ہوا اچھی ہے۔ لکھنؤ کی زمین اونچی نیچی ہے اور بازار و گلیاں بہت تنگ ہیں۔ چنانچہ اگر شروع میں ہموار زمین حاصل کر کے سکونت کی بنیاد ڈالتے تو اس سے کم رقم میں کہ جو لکھنؤ کی تعمیر میں خرچ ہوئی نام کے ساتھ ایک شہر تعمیر ہو جاتا۔ اس طرح وہ لوگ بھی لکھنؤ کی تکلیف سے چھٹکارا پاتے[1]۔ اور اس کا نام بھی مدتوں زمانہ میں باقی رہتا۔

---

[1] بقول ہوئی" اس طرح ریزیڈنٹ بھی تکالیف سے بچ جاتے۔"

وقائع ۱۱۸۹ ہجری

مطابق ۱۷۷۵-۷۶ عیسوی

اسی زمانہ میں گورنر ہسٹنگز کی تجویز سے مسٹر مڈلٹن اس علاقہ (لکھنؤ) میں تھے۔ اور انھوں نے ابھی اطمینان کا سانس بھی نہ لیا تھا کہ جنرل کلیورنگ[1] کی تجویز پر ان کی جگہ

---

[1] سرجان کلیورنگ Sir John Clavering (۱۷۲۲-۷۷) سنہ پیدائش ۱۷۲۲ء ہے۔ گواڈلوپ کے ۱۷۵۹ کے حملے میں یہ بگیڈ جنرل تھے۔ اس وقت ہوریس والپول Horace Walpole نے ان کے متعلق یہ لکھا،

"Clavering was the real hero of Guadaloupe He has come home covered with more laurels than a boar's head".

۱۷۷۰ میں یہ لفٹنٹ جنرل ہوئے۔ ۱۷۷۴ میں ہند آئے۔ اور کمانڈر انچیف بنائے گئے۔ ریگولیٹنگ ایکٹ کے بعد گورنر جنرل کی کاونسل کی تشکیل ہوئی تو یہ بھی اس کے چار ممبروں میں سے ایک تھے۔ کلیورنگ، فرانسس اور مونسن کے ساتھ ہسٹنگز اور بارول کی مخالفت کرتے تھے جب ہسٹنگز کے انگلستان کے ایجنٹ نے یہاں اس کا استعفیٰ دیا خود ہسٹنگز نے ہندوستان میں اس کو جھوٹ بتایا۔ اس وقت کلیورنگ نے گورنر جنرل ہونے کا دعویٰ کیا لیکن سپریم کورٹ نے اس کو منظور نہیں کیا۔ ۳۰ اگست ۱۷۷۷ء کو اس کا انتقال ہوا۔

(BUCKLAND. op. cit, P 84)

مسٹر برسٹو[1] مقرر ہوکر لکھنؤ پہنچے ۔ اسی زمانہ یعنی ۱۱۸۹ھ کے شروع میں مرزا سعادت علی بھی لکھنؤ آئے ۔ اس کی تفصیل یہ ہے کہ آصف الدولہ نے تخت پر بیٹھتے ہی بھائی کو لایا ۔ اور بریلی میں متعین سرداروں میں سے محبوب علی خاں کو اس بات کا حکم دیا کہ وہ وہاں کا انتظام کرے اور سعادت علی خاں کو اس کے پاس بھیج دے ۔ مرزا سعادت علی نے مرتضیٰ خاں بڑیچ اور اس نواح کے دوسرے سرداروں سے استمزاج کیا ، اور جب کسی سے مدد کی توقع نہ پائی تو نواب وزیر کے دربار میں چلے گئے ۔ اسی سال نوروز علی خاں نے وفات پائی و مختار الدولہ کے چھوٹے بھائی سید معزز خاں الہ آباد کے گورنر مقرر ہوئے اور امارت کا بہت سا سامان لے کر اس طرف روانہ ہوئے ۔ اسی سال محمد ناصر خاں حبشی کا بھی انتقال ہوگیا اور سردار کا علاقہ متعدد لوگوں میں تقسیم ہوگیا ۔ آصف الدولہ نے اسی سال اپنی ماں سے باپ کا خزانہ مانگا تو آپس میں بدکلامی ہوئی ۔ آخرکار ماں نے پچاس لاکھ روپے بیٹے کو دیئے ۔

اس زمانہ کے دوسرے واقعات میں حیدر بیگ کی معزولی اور محبوب علی خاں کا چکلہ کوڑا کی عملداری پر تقرر ہے ۔ اس مقام پر حیدر بیگ کا حال لکھنا مناسب معلوم

---

[1] جان برسٹو (John Bristow) کورٹ آف ڈائرکٹرز کے حکم کے مطابق ان کو ۱۷۷۴ء میں مسٹر مڈلٹن کی جگہ لکھنؤ میں ریزیڈنٹ مقرر کیا گیا لیکن ہیسٹنگز اس سے کچھ خوش نہیں ہوا ہیسٹنگز نے اس کو ۱۷۸۱ء میں معزول کر کے پھر مسٹر مڈلٹن کا تقرر کیا لیکن ۱۷۸۲ء میں دوبارہ اس کا تقرر وہاں کیا گیا ۔ برسٹو نے قوت حاصل کر کے نواب کی طاقت زیادہ سے زیادہ کم کرنے کی کوشش کی جس کی کہ نواب نے کئی مرتبہ شکایت بھی کی اور اس معاملہ پر سپریم کاؤنسل میں بھی غور ہوا ۔ ۳۱ دسمبر ۱۷۸۳ء کو اسے کلکتہ واپس بلا لیا گیا ۔ اور ہیسٹنگز کو یہ اختیار دیا گیا کہ وہ خود اودھ کا انتظام کرے ۔ اور وہ مارچ اگست ۱۷۹۴ء میں اس کام کے لئے لکھنؤ آیا ۔ (Ibid, P 53.)

ہوتا ہے۔ اس کا باپ فتح آباد کابل کے گمنام اور بے ادب قلچیوں میں سے تھا۔ د
حیدر بیگ کے تمام اعزہ چاہے وہ ہندوستان میں پیدا ہوئے ہوں اور چاہے فتح آباد
کے ہوں بالکل تمیز نہیں رکھتے تھے۔ ایسے کام ان سے سرزد ہوتے تھے کہ جن سے
جانوروں کو بھی شرم آتی لیکن خود حیدر بیگ تمیز دار، عقلمند اور نازک مزاج تھا۔ د
اپنے بھائی نور بیگ کے ساتھ اس صوبہ کی عملداری سے فائدہ حاصل کرتا تھا۔ دونوں
بھائی سخت گیری، خود غرضی، بے مروتی اور ویرانی پھیلانے میں مشہور رہے ہیں۔ د
بیٹی بہادر کی نیابت کے زمانہ میں شہرت اور دولت حاصل کی۔ انھوں نے پرگنوں
کی آمدنی میں خیانت کی لہذا نواب مرحوم نے دونوں کو گرفتار کر کے سخت تقاضہ کیا۔
بڑے بھائی نے تحصیل وصول کرنے والوں کی گالیوں، لاتوں اور آفتاب کی تپش کے
نیچے جان دی۔

حیدر بیگ بھی مرنے کے قریب تھا کہ بہار علی خاں نے اس پر رحم کھا کر
اس کی تباہی کا حال نواب بیگم تک پہنچا دیا۔ جب یہ درخواست نواب بیگم سے
کی گئی تو ان پر رحمدلی طاری ہو گئی کہ جو عورتوں کا ایک لازمی خاصہ ہے۔ انھوں نے
اس کے معاملہ کو درست کرنے کی کوشش کی۔ حیدر بیگ خاں نے بیگم سے گفتگو
کرنے کا موقع نکالا۔ اس کے مقربین کو لالچ دیئے اور مدت کے بعد چکلہ کوڑا کی
تحصیلداری پائی۔ دوسری دفعہ معزول ہوا اور ایک بڑی رقم کی بد دیانتی اس سے ظاہر
ہوئی اور وہی مصیبت اس کے سامنے تھی کہ مختار الدولہ کا بھائی سید محمد خاں اس کا
طرفدار ہو گیا اور اس ہلاکت سے اس کو بچایا۔

اس سال ماہ رجب میں راقم الحروف (ابو طالب) سید زین العابدین خاں
طباطبائی کے ساتھ مختار الدولہ کے بلانے پر لکھنؤ آیا۔ مختار الدولہ بڑی عزت سے ملا
اور دو ہزار سواروں و پیادوں پر افسر مقرر کر دیا۔ یہاں پر اپنا اور زین العابدین خاں

کا اس سرکار کے ساتھ قدیم تعلق بیان کرنا مناسب معلوم ہوتا ہے۔

خاں موصوف مشہد کے مشہور سادات میں سے تھے۔ وہ علم و فضل اور خصوصاً علم طب میں ممتاز تھے۔ نواب صفدر جنگ ان کے ساتھ بڑی عزت و تعظیم کا برتاؤ کرتے تھے۔ ہندوستان آنے کے ابتدائی زمانہ سے صفدر جنگ کے بھتیجے محمد قلی خاں سے دوستی پیدا کر کے ہر جگہ ان کے ساتھ رہے۔ محمد قلی خاں کے گرفتار ہونے کے وقت اس کی رہائی کی کوشش کی اور جب اس کا کوئی اثر نہ ہوا تو شجاع الدولہ کے دبدبہ سے ڈر کر بنگال کی راہ لی۔

اس ناچیز کی پیدائش ۱۱۶۶ہجری (۱۷۵۲ء) میں شہر لکھنؤ میں ہوئی۔ میرے نانا ابوالحسن بیگ اصفہانی برہان الملک کی حکومت کے آغاز سے ان کے رفقاء شامل تھے اور ان کے انتقال کے بعد دنیاداری چھوڑ دی و گھر سے باہر نہیں نکلے میرے محترم باپ کا نام محمد بیگ تھا۔ ہندوستان آنے کے بعد صفدر جنگ کے سپاہیوں میں ملازم ہو گئے و اس کے معتمد بن گئے۔ راجہ نول رائے اور افغانوں کے جھگڑے کے بعد جس وقت محمد قلی خاں صوبہ کی نیابت پر مقرر ہوئے تو ان کی رفاقت پر مقرر ہوئے۔ ان دونوں میں محبت اور انسیت پیدا ہوئی اور اسی سبب سے جب صفدر جنگ نے صوبہ میں آکر محمد قلی خاں کو الہ آباد میں متعین کیا۔ اس وقت میرے والد نے ان کا ساتھ نہیں چھوڑا الہ آباد گئے۔ محمد قلی خاں کی گرفتاری کے بعد نواب شجاع الدولہ نے میرے والد کی دلجوئی کی اور اس صوبہ کی فوج و ملکی عہدہ حسب دستور ان کے لئے بحال کر دیا۔ دو تین سال کے بعد دوبارہ نواب مرحوم الہ آباد آئے اور مرزا نجف خاں لشکر سے بھاگ گیا۔ والد کی طرف سے بھی بے اعتمادی ظاہر ہوئی۔ نواب شجاع الدولہ نے ان کو قید کرنے کا ارادہ کیا۔ والد تمام سامان اور دولت وہیں چھوڑ کر بنگال بھاگ گئے اور نواب مرحوم نے والد کے نقد جنس

میں سے دو لاکھ روپیہ ضبط کر لئے واس ناچیز پر کہ جو لکھنؤ میں تھا کچھ دن کے لئے چوکی پہرہ بٹھا دیا۔ تھوڑے ہی دنوں بعد معاف کر دیا اور میری مکتب کی تعلیم کا خرچ مقرر کر کے مجھے اپنا ممنون بنایا۔ دو تین سال بعد والد کے بلانے پر اجازت دی اور بنگال روانہ کر دیا۔ اپنے اور زین العابدین خاں کے پہنچنے کے بعد ہم نے پانچ سال اور مظفر جنگ کی رفاقت میں عزت کے ساتھ گذارے یہاں تک کہ مختار الدولہ کی تحریک ہماری اودھ میں واپسی کا سبب بن گئی۔

اسی زمانہ میں مسٹر جان برسٹو نے مختار الدولہ سے درخواست کی کہ بنارس کو کمپنی کی جاگیر میں دے دیا جائے۔ مختار الدولہ کمپنی کے حق کے اعلان کی بنا پر کہ جو اٹاوہ اور بریلی کو فتح کرنے کے سلسلہ میں اور الہ آباد کو سپرد کرنے کے باعث کہ جہاں کی آمدنی ڈیڑھ کروڑ کے قریب تھی اور اپنی تقویت حاصل کرنے کی امید پر کہ وہ اپنے آقا کی بدمزاجی کی وجہ سے واپنے زمانہ کے امراء سے ڈرا ہوا تھا اس سوال کو قبول کرنا مناسب جانا اور آصف الدولہ کو مناسب باتوں سے راضی کر لیا۔ لیکن اس کی امید کا نتیجہ الٹا نکلا۔ چنانچہ آئندہ واقعات سے معلوم ہوگا کہ وہ خود اپنے عزیز واقارب سمیت اسی مصیبت میں مبتلا ہوا۔

نئے سال کے دوسرے واقعات میں سے نواب کا اٹاوہ کا سفر ہے۔ اس کا سبب یہ ہوا کہ محمد ایرج خاں نے نواب کا مقصد حاصل کرنے کی کوشش نہ کر کے مرزا نجف خاں کے ساتھ سازش کا راستہ کھول دیا اور بادشاہ نے خلعت اور وزارت عطا کرنے میں دیر کی۔ احمد خاں بنگش بھی شجاع الدولہ کے انتقال سے پہلے مر گیا۔ نواب کے دل میں اس کے ملک پر قبضہ کرنے کا خیال چھپا ہوا تھا اسی لئے صوبے کی نیابت واسباب امارت مختار الدولہ کے بڑے بھائی سید محمد خاں کے سپرد کر کے شوال کے مہینہ میں اس طرف کا رخ کیا۔ دریائے گنگا

کے کنارے پہنچنے کے بعد جس وقت کہ دو ڈویژن فوج دریا پار کر چکی اور ایک ڈویژن اِس طرف رہ گئی اس وقت جو ڈویژن اِس طرف رہ گیا تھا اس سے ہتھیار اور سامان لے چلنے کا حکم دیا لیکن وہ لوگ بھی جنگ کے لئے مستعد ہو گئے اور تنخواہ کی درخواست کی۔ اس اثناء میں انگریزی فوج جو بانگرمئو کی چھاؤنی میں تھی وہ آگئی اور تمام فوج تیار و مستعد ہو گئی۔ بیچارے سب اِدھر اُدھر منتشر ہو گئے اور ایک ڈویژن کہ جو باقی رہ گیا تھا مختار الدولہ کے مشورہ کے مطابق وہ باقاعدہ انگریز حاکموں کے سپرد کر دیا گیا۔ لیکن تھوڑے ہی عرصہ کے بعد مذکورہ حکام معطل کر دیئے گئے اور بٹالین کا کھولنا باندھنا انتظام اسی طرح بسنت علی خاں کے سپرد رہا۔ نواب کے فرخ آباد پہنچنے کے بعد ۵½ لاکھ روپے سالانہ بطور نذرانہ اس علاقہ پر مقرر ہوا جو اس وقت تک جاری ہے۔ اس کے علاوہ احمد خاں کا نقد و جنس بھی ضبط کر لیا گیا۔ نواب اٹاوہ چلے گئے اور چند ماہ وہاں قیام کیا۔

اس زمانہ میں بہت سے واقعات پیش آئے۔ ان میں سے ایک یہ کہ نواب وزیر کی فوج میں نجف خاں کے کچھ آدمی آئے۔ اس کا سبب یہ ہے کہ آصف الدولہ نے دربار دہلی سے خلعت کے حاصل نہ ہونے کا الزام ذوالفقار الدولہ پر رکھا اور تلہ بیگ کی جنگ کے وقت امدادی فوج کو جو تقریباً دس ہزار سواروں اور پیادوں پر مشتمل تھی (جو شجاع الدولہ نے ذوالفقار الدولہ کے لئے فراہم کی تھی) لالچ دے کر و حکم کے ذریعے اپنے ساتھ ملا لی اور یہ اس جماعت کے لئے پریشانی کا باعث ہوا۔ جن لوگوں نے اس کا فریب کھایا ان میں سے ایک فتح علی خاں درانی تھے کہ جن کے پاس ایک فوج پانچ چھ ہزار اچھے سواروں، پیادوں اور توپ خانہ پر مشتمل تھی اس لشکر میں آگیا۔ لیکن اس کے چند مہینہ بعد روپیہ کی قلت کے سبب سے اور وزیر کی بد انتظامی کے باعث اپنا تمام سامان فوج کے لوگوں میں کم قیمت پر

بیچ دیا۔ اور اکیلا بھراسی طرف لوٹ گیا۔ ذوالفقارالدولہ نے ان حالات کے باوجود دل تھوڑا نہیں کیا۔ وائسی زمانہ میں دیگ کو فتح کرلیا۔ اس کے بعد ذوالفقارالدولہ نے بادشاہ کو نواب وزیر کی خلعت عطا کرنے پر راضی کرلیا اور اس طریقہ پر اس جھگڑے کا خاتمہ ہوگیا۔ ذوالفقارالدولہ کو نائب وزیر مقرر کیا گیا

وقائع سنہ ۱۱۹۰ ہجری

مطابق ۷۷-۱۷۷۶ عیسوی

اس سال کے شروع میں ہمتوں گسائیں معزول کردیے گئے اور دوآبہ کی عملداری پر زین العابدین خاں کا تقرر ہوا۔ اس وقت خان موصوف کی طرف سے پرگنہ جات گھاٹم پور، اکبرپور، رسول آباد، سکندرہ بلاسپور اور پھپھوند کا انتظام میرے سپرد ہوا۔ یہ پندرہ سولہ لاکھ کی مالگذاری کے پرگنے تھے۔ گسائیوں کو حکم ہوا کہ کالپی کے باقی علاقوں کو فتح کرکے رسالہ بنائیں۔ انوپ گیر جو بڑا بھائی تھا ایسی بخشش سے مغموم ہوا کہ جس سے کسی دوسرے ملک کو فتح کیا جائے۔ و مالگذاری وصول کی جائے جس کا حصول نوک شمشیر سے وابستہ ہو۔ وہ اپنے اکثر گروہ کے ساتھ اٹھا اور ذوالفقارالدولہ کے لشکر سے جا ملا اور امراؤ گیر دو تین ہزار سواروں کے ساتھ یہیں رہ گیا۔

دوسرا (اہم واقعہ) محمد بشیر خاں کا بھاگنا ہے۔ وہ اس طرح ہوا کہ خان مذکور نجیب آباد اور بریلی میں رہتا تھا۔ فوج کے دوسرے افسروں کے پاس ان کی گرفتاری کا حکم پہنچا۔ ان میں سے حبشی پلٹن نے سب سے پہلے اس کی گرفتاری کا ارادہ

کیا۔ جس وقت وہ محمد بشیر خاں کے خیمہ کے قریب پہنچے وہ ہوشیار ہو گیا اور معاملہ پر غور کرنے لگا۔ اس وقت سادات بارہہ کے ایک نفر میر بہادر علی اور ایک افغانی عبدالرحمٰن خاں قندھاری اس کے پاس موجود تھے۔ دونوں ہی اس کے احسانات میں ڈوبے ہوئے تھے اور اس کے رفیقوں کے زمرہ میں شامل تھے۔ میر بہادر علی نے بشیر خاں سے کہا کہ تم گھوڑے پر سوار ہو کر جتنی جلد ممکن ہو دریائے گنگا پار کرکے بادشاہ (دہلی) کے علاقہ میں پہنچ جاؤ اس وقت میں پلٹن کو لڑائی میں مشغول رکھونگا محمد بشیر خاں نے ایسا ہی کیا۔ میر بہادر علی عبدالرحمٰن کی طرف متوجہ ہوا اور کہا کہ یہ اظہار وفاداری کا وقت ہے واحسان کے بدلہ جان دینے کا موقع ہے۔ خان موصوف نے اس بات کو صحیح تسلیم کیا لیکن یہ عذر کیا کہ میرے پاس ہتھیار نہیں ہے سید مذکور نے کہا میرے پاس تلوار اور افغانی چھری دونوں چیزیں ہیں میرے لئے ایک کافی ہے تم ان دونوں میں سے جو چاہو مجھ سے لے لو۔ عبدالرحمٰن اس کی تلوار لے کر کسی طرف کو نکل گیا اور میر بہادر علی نے اسی چھری کی مدد سے ایک گھنٹہ تک پلٹن کا مقابلہ کیا واسے روکے رکھا۔ آخرکار وہ شہید ہو گیا۔ محمد بشیر خاں کو دریائے گنگا پار کرنے کا موقع مل گیا اور وہ محمد ایرج خاں کے پاس پہنچ گیا۔ اس کا جو سامان لوٹ کھسوٹ سے بچ گیا تھا حکومت نے ضبط کر لیا۔ اس واقعہ کے بعد بریلی کی عملداری پر صورت سنگھ کا تقرر ہوا۔

دوسرے واقعات میں نجیب پلٹن کا توڑا جانا ہے۔ یہ اس طرح ہوا کہ گسائیوں کی پیشعینہ جماعت جمنا کے اس پار فتح میں مشغول تھی کہ برطرفی اور معزولی کی خبر پہنچی۔ وہ لوگ اپنی تنخواہ کے تقاضے کے لئے دریا کے اس پار آ گئے اور لشکر کے پاس پہنچے۔ اس وقت جھاؤلال، تیر چند اور بسنت نے مختار الدولہ کو بنارس اور کمپوں (فوجی ڈویزنوں) کو انگریزوں کے حوالہ کرنے کا الزام لگا کر آصف الدولہ کو اس

کے خلاف کر دیا۔ اس طرح اسے پریشان کیا واس کی فکر میں رہے۔ لہذا یہ سوچ کر کہ مختارالدولہ کی پیادہ فوج واس کے ساتھی کم ہیں اور وہ پلٹن سے مقابلہ نہ کر سکے گا اور وہ بے آبرو و قتل ہو جائے گا۔ آصف الدولہ نے اس کو ان کی سرکوبی کے لئے روانہ کیا۔ مختارالدولہ اس مقصد کو سمجھ گیا اور چاہا کہ نجیب (پلٹن کی آگ کو ٹھنڈا کرے وان کو اپنا دوست بنالے لیکن وہ گروہ ان تین آدمیوں کے بھڑکانے اور حقیقاتی رجمنٹوں کی امداد پر بھروسا کئے ہوئے تھا اس لئے کہنے میں نہیں آیا۔ اس نے مختارالدولہ کی باتوں پر کان نہیں دھرے اور لڑنے پر آمادہ ہو گیا۔ قریب تھا کہ مختارالدولہ کی فوجوں کو شکست ہو جائے۔ لیکن اس گروہ کے چند سردار قتل ہو گئے اور بقیہ بھاگ گئے۔ اس کے بعد راجہ جھاؤ لال اور تیر چند کی سازش کا علم ہوا۔ نواب وزیر نے دونوں کو قید کر کے مختارالدولہ کے سپرد کر دیا اور وہ دونوں مختارالدولہ کے انتقال تک قید میں رہے۔

اس سفر کے دوسرے واقعات میں مختارالدولہ اور بسنت کا قتل ہے۔ معلوم ہونا چاہیئے کہ جھاؤ لال اور تیر چند کے قید ہو جانے کے بعد بسنت کا اعتماد آصف الدولہ سے اٹھ گیا اور وہ اپنی فکر میں پڑ گیا۔ اس موقعہ پر مرزا سعادت علی خاں (جو بے سروسامانی کے ساتھ لشکر میں رہتا تھا) نے تفضل حسین خاں کے مشورہ سے عجب خاں افغان (کہ جو اس زمانہ کے بہادروں اور تفضل حسین خاں کے جاننے والوں و بسنت کے دوستوں میں تھا) کو ذریعہ بنا کر سازش کا راستہ کھولا۔ کئی بار ملاقاتوں کے بعد یہ طے پایا کہ بسنت آصف الدولہ اور مختارالدولہ کو درمیان سے ہٹا دے (مار ڈالے) تا و سعادت علی خاں آصف الدولہ کی جگہ نواب مقرر ہو اور بسنت ملک و فوج کا مختار ہو جائے۔ اس قتل کا ذمہ عجب خاں کے سپرد ہوا۔ اسی دوران میں ایک دن نواب وزیر نے بسنت سے مختارالدولہ کی شکایت کی۔ اس نے موقع کو غنیمت سمجھ کر

مختارالدولہ کے قتل کی اجازت حاصل کرلی۔ اس نے اپنے دل میں دونوں کو ٹھکانے لگانے کا ارادہ پختہ کرلیا۔ اور غداری کی نیت سے دعوت کا انتظام کیا وان دونوں کو مدعو کیا۔ مختارالدولہ باوجود اپنی فوج اور سرداروں کی شکست کے انگریزوں کی مہربانیوں پرمغرور تھا۔ اس وجہ سے اس نے احتیاط و سمجھداری کا خیال نہ رکھا وہ اس جال سے بے خبر رہا اور دعوت میں آگیا۔ آصف الدولہ کو اپنے متعلق بسنت کے ارادوں کی خبر نہ تھی۔ لیکن مختارالدولہ کے متعلق اس کے ارادے سے واقف تھا۔ اس صحبت سے بچنا چاہا اور معذرت کی۔ بسنت اس کی معذرت سے بے قرار ہوگیا اور دوسرے تین دفعہ اس کے پاس آیا محفل کی رنگینی اور بزم عیش و طرب کی خوبیاں بیان کیں (اور) اور لالچ دیا۔ چونکہ وزیر کی موت نہیں آئی تھی اس لیے کامیاب نہیں ہوا۔ لہذا بسنت نے اس کا معاملہ دوسرے وقت کے لئے اٹھا رکھا اور عجب خاں کے ساتھی فضل علی، طالب علی اور دو آدمیوں کو مختارالدولہ کے قتل کا اشارہ کیا۔ اس وقت مختارالدولہ دھوپ کی تیزی کی وجہ سے اپنے ساتھیوں اور سواری کے ملازموں کو ان کے خیمہ میں واپس کرکے خود تہہ خانہ میں چلا گیا اور گانا سننے میں مشغول تھا کہ یہ فضل علی نے تین قدم آگے بڑھ کر پے درپے وار کرکے اس کو قتل کردیا۔ اس کے بعد مرزا سعادت علی اور گسائیں کو جو کہ اس سازش میں شریک تھے آگاہ کیا اور کہلا بھیجا کہ میں وزیر کو قتل کرنے کے ارادہ سے دربار جارہا ہوں تم بھی اپنی فوج لے کر اس طرف آجاؤ۔ اس نے دونوں کمپنیوں کو حکم دیا کہ معہ توپوں کے آجائیں اور خود دو پلٹنوں کے ساتھ جو موجود تھیں وزیر کے خیمہ کی طرف بڑھا۔ کیونکہ وزیر سفر میں تھا اس لئے ایک دیوار اس کے خیموں کے چاروں طرف کھینچی ہوئی تھی اور اس میں ایک دروازہ رکھا گیا (کیونکہ وزیر دیر تک سونے کا عادی تھا) انقلاب کے سبب سے اس وقت وہ دروازہ بند کرلیا گیا تھا۔ اس لئے بسنت نے بغیر روک کے راستہ نہیں پایا۔ نواب وزیر

نے کہلا بھیجا کہ اکیلے آؤ۔ چونکہ بسنت جانتا تھا کہ وزیر اپنے متعلق اس کے ارادہ سے بے خبر ہے اور مختار الدولہ کا قتل اس کی مرضی سے ہوا ہے اس لئے اکیلے جانے میں کوئی مضائقہ نہیں سمجھتا۔ اس نے بڑے مرزا کو جو ایک طاقتور جوان و بسنت کے ساتھیوں میں اور اس کے ماتحت وزیر کے دیوان خانہ کا داروغہ تھا و ایک اور غلام جو کہ طاقت میں بڑے مرزا کا ثانی تھا اپنے ساتھ لیا اور وزیر کے پاس گیا۔ ساتھ ہی ساتھ اس نے پلٹن کے سرداروں و دونوں پلٹنوں کو اشارہ کیا کہ اس کے اندر جانے کے بعد کسی بہانہ سے اندر داخل ہو جائیں۔ بسنت کے سامنے آنے کے بعد وزیر نے یہ سمجھا کہ اگر یہ زندہ رہا تو مختار الدولہ کے قتل کے سلسلہ میں میری رضامندی کا حال ظاہر کر دے گا اور وہ انگریزوں کے جواب طلب کرنے کا باعث ہو جائے گا۔ جو لوگ حاضر تھے ان کی تعداد دس پندرہ سے زیادہ نہ تھی۔ نواب نے ان کو بسنت کے قتل کا حکم دیا اور نواز سنگھ نے جو کہ اردلی کے راجاؤں میں سے تھا بسنت کو ایک تلوار مار کر گرا دیا۔ اس وقت بڑے مرزا اور غلام کو (وزیر کا) ادب مانع ہوا۔ وہ نواز سنگھ کو نہ روک سکے۔ لیکن اس کے بعد جب نواز سنگھ بسنت کی لاش پر بیکار ضربیں لگا رہا تھا اور اپنے پیر مع جوتوں کے اس کے سر پر رکھے تھا تو بڑے مرزا کی رگ حمیت میں حرکت آئی اور ایک تلوار نواز سنگھ کو مار کر گرا دیا۔ اب وزیر کے ساتھیوں نے بھی مل کر ایک ساتھ بڑے مرزا اور اس کے غلام پر حملہ کرنے کا ارادہ کیا لیکن اپنے کو اس کے مقابلے کے لئے مرد میدان نہیں پایا اور کونوں میں دبک گئے۔ بڑے مرزا وزیر کے پاس پہنچا۔ کیونکہ اس کی نیت بری نہ تھی۔ اس لئے اس نے یہ ظاہر کیا کہ یہ حرکت اس سے بسنت کی دوستی کی وجہ سے سرزد ہوئی لیکن نمک حرامی کا ارادہ دل میں نہیں ہے نیز یہ کہ اب وہ اس شرط پر گھیرے سے باہر چلا جائے گا کہ کوئی شخص اس کے پیچھے نہ لگے۔ وزیر نے اس کا وعدہ کر لیا اور بڑے مرزا نے باہر

نکل کر اپنے گھر کا راستہ لیا۔ وہ دونوں پلٹنیں جو اندر داخل ہونا چاہتی تھیں۔ بسنت کے سر کو اپنے سامنے دیکھ کر پریشان ہوگئیں۔ اس وقت مرزا سعادت علی چند مسلح سواروں کے ساتھ وہاں آئے۔ لیکن پلٹنوں کی طرح انھوں نے بھی اندر جانے کا راستہ نہیں پایا اور بسنت کے قتل کی خبر سنی۔ ناامیدی کی حالت میں مدد کی امید پر دہ گسائیں کے خیمہ میں گئے۔ گسائیں نے سازش کے ناکام ہونے کے سبب سے معذرت کی اور اس کو ایک تیز رفتار گھوڑی دے کر بھاگنے کے لیے رہنمائی کی۔ لہذا مرزا سعادت علی خاں، تفضل حسین خاں، بڑے مرزا غلام اور چند دیگر لوگوں کو لیکر اسی وقت لشکر سے نکل گئے اور بادشاہ کی عملداری میں پہنچنے سے پہلے کسی جگہ بھی دم نہیں لیا۔ تقریباً ایک گھنٹہ کے بعد دو پلٹنیں وہاں پہونچیں جو بسنت کے خون کا بدلہ لینا چاہتی تھیں۔ انھوں نے مختار الدولہ کے خیموں کو برباد کر دیا۔ مختار الدولہ کے توپ خانہ کے داروغہ یوسف علی خاں نے وفاداری کے خیال سے چند توپیں اور گولہ پھینکنے والے مغل پلٹنوں کے مقابلہ کے لئے مقرر کئے اور خود باوجود نواب وزیر کے ہمراہیوں کے منع کرنے کے ہمت کر کے پلٹن کے اندر گھس گیا اور ان کے سرداروں کو خلعتیں دیں اور ان کی دلجوئی میں مشغول ہوا۔ اس طرح جو بغاوت فوج میں ہوگئی تھی وہ فرو ہوگئی۔ اس وقت مختار الدولہ کا مدار المہام انور علی خاں خواجہ سرا (جو بغیر لیاقت کے وزارت کے تمام کام کرتا تھا) مختار الدولہ کی لاش کو اٹاوہ کے اطراف میں دفن کر کے گوشہ گمنامی میں بیٹھ گیا۔ اور بسنت کی لاش کو پلٹن کے سرداروں نے بڑی عزت کے ساتھ دفن کیا۔ چند روز تک اس کی قبر پر بہت مجمع رہا۔ کھانے پکے اور غریبوں کو کھلائے جاتے رہے۔

دوسرا واقعہ لطافت علی خاں کا بادشاہ کے حضور میں بہ حیثیت وکیل تقرر ہے۔ یہ واقعہ اس طرح ہے کہ مرحوم نواب شجاع الدولہ نے اس کو بھی اپنی

فوج کے ریلی کے علاقہ میں چھوڑ دیا تھا اور پندرہ لاکھ روپیہ کی محالات اس کے رسالہ کے خرچ کے لئے دیے تھے۔ مختار الدولہ کے انتقال کے بعد نواب وزیر نے لکھنو لوٹنے کا ارادہ کیا تو لوگوں نے یہ تجویز کیا کہ کوئی شخص ایک شائستہ فوج کے ساتھ بادشاہ کے حضور میں حاضر رہے۔ اس وقت لطافت علی خاں نے یہ خیال کیا کہ وہ وزیر کے دربار کی حاضری سے دور رہے اور فتنوں سے کنارہ کشی اختیار کرے۔ وہ رشوت دے کر و مختلف حیلوں بہانوں سے اس خدمت پر مقرر ہوگیا اور چند سال ذوالفقار الدولہ کی حمایت میں گذارے۔ ۱۱۹۵ھ میں وہ اس عہدے سے ہٹا دیا گیا۔ و اس کی جاگیر ضبط کر لی گئی اور وہ خود مع اپنے رسالہ کے ذوالفقار الدولہ کا ملازم ہوگیا۔ اس کی وفات کے بعد اس نے آزادی حاصل کر لی اور محمد بیگ خاں ہمدانی[1] نے کسی بہانہ سے اسے قابو میں کر لیا و مرزا شفیع[2] کے حکم سے اس کی آنکھیں نکال لیں۔ اب اس وقت اسی غربت کی زندگی بسر کر رہا ہے۔

---

[1] محمد بیگ خاں ہمدانی مرزا نجف خاں کی فوج کا کپتان تھا اور دربار کی سازشوں میں اہم حصہ لیا کرتا تھا۔ اس نے مرزا محمد شفیع کو قتل کرا کے سیندھیا کے پاس بھاگ گیا۔ بعد میں وہ راجہ جے پور سے وابستہ ہوا۔ سیندھیا کے خلاف لڑائی میں یہ ہلاک ہوا۔ یہ لڑائی جولائی ۱۷۸۷ء میں ہوئی تھی۔

(C. P. C. Vol. VII P. 96)

[2] مرزا محمد شفیع نجف خاں کے بھتیجے کا لڑکا تھا۔ نجف خاں کی زندگی میں اس نے چھوٹی چھوٹی مہموں پر کام کیا لیکن اس کی وفات کے بعد سے آگرہ کا صوبیدار و ریجنٹ (Regent) مقرر کیا۔ ۱۵ ستمبر ۱۷۸۲ء سے لے کر ۲۳ ستمبر ۱۷۸۳ء تک وہ میر بخشی کے عہدہ پر رہا جبکہ محمد بیگ ہمدانی کے ایک ملازم نے افراسیاب خاں کے اشارہ پر اسے قتل کرا دیا۔ چونکہ مرزا محمد شفیع کا درباری حریف تھا

(Ibid. P. 95)

اس سال کے دوسرے واقعات میں محمد ایرج خاں کا بہ حیثیت نائب سلطنت تقرر ہوا اس کے بعد وفات ہوئی۔ اس کے بعد اس جگہ پر مرزا حسن رضا خاں اور حیدر بیگ نے اپنے تقرر سے انکار کردیا۔ یہ جان لینا چاہیئے کہ مختار الدولہ کے بعد کچھ دن نیابت کا کام ملتوی رہا اور اس عرصہ میں ملکی انتظامات مسٹر بریسٹو کے اشارہ پر جگناتھ دیوان انجام دیتا تھا۔ اسی زمانہ میں وزیر نے اپنے عنایت نامہ کے ذریعہ سے محمد ایرج خاں کو لکھا کہ وہ اٹاوہ سے لکھنؤ واپس آئے۔ ایرج خاں چونکہ صاحبزادہ (آصف الدولہ) کی طرف سے مطمئن نہ تھا اس لئے اس نے مسٹر بریسٹو کو لکھا کہ اگر وہ مجھ کو اپنی ذمہ داری پر بلائیں تو حاضر ہوجاؤں۔ مسٹر بریسٹو نے اس کو اطمینان دلایا۔ محمد ایرج خاں محمد بشیر خاں کے ساتھ اکبرآباد سے دریائے گنگا کے کنارے بانگرمئو کے مقابل پہنچا وراس جگہ ملاحوں نے محمد ایرج خاں کے اشارہ پر بشیر خاں کو روک دیا۔ محمد یرج خاں نے دریا عبور کیا و وزیر کی خدمت میں حاضر ہوکر نیابت کی خلعت پہنی اور محمد بشیر خاں اس کے پورے نیابت کے زمانہ میں اٹاوہ ہی میں ٹھہرا رہا اور مرزا حسن رضا خاں کی بہت کوششوں کے بعد دریا پار کرنے کی اجازت پائی۔ اسی زمانہ میں وہ موتیابند کے مرض میں مبتلا ہوگیا۔ اس کے اخراجات کے لئے ایک جاگیر مقرر ہوئی اور اس نے وہاں خانہ نشینی اختیار کرلی۔ اب بھی وہ زندہ ہے اور لکھنؤ میں مقیم ہے۔ غرضکہ محمد ایرج خاں نے اقتدار حاصل کرنے کے بعد مختار الدولہ کے انتقام کے خیال سے سید معزز خاں کو الٰہ آباد سے معزول کردیا اور اس کے بڑے بھائی سید محمد خاں کو بھی جو کہ ایک صوبہ کا معزول شدہ نائب تھا۔ اس نے مختار الدولہ کے تمام عزیز و اقارب کو قید کردیا اور زندگی بھر یہ لوگ سوائے عذاب میں مبتلا رہنے کے کچھ نہ پاسکے۔ اس کے بعد جب مسٹر بریسٹو نے ان لوگوں کی حالت کے متعلق بات کی تو اس نے جواب دیا کہ جو قول و قرار دونوں حکومتوں کے

درمیان ہوچکا ہے اس کے مطابق اس ملک کے معاملات میں تمہارا دخل دینا جائز نہیں۔ اس معاملہ سے باز آجاؤ ورنہ وکیل کے ذریعہ گورنر جنرل کی کاؤنسل سے (اس کے متعلق) سوال وجواب کریں گے۔ مسٹر برسٹو یہ جواب سن کر اس کے بلانے پر بہت نادم ہوا اور خاموشی اختیار کرلی۔ انھیں دنوں محمد ایرج خاں استسقاء کے مرض میں مبتلا ہوا اور سفر آخرت اختیار کیا واس کا جھوٹا طمطراق ختم ہوگیا۔

ایرج خاں کے زمانہ کے دیگر واقعات میں سے ایک کمپنی کی پلٹنوں کا ٹوڑا جانا ہے۔ یہ اس طرح ہوا کہ نواب وزیر نے اٹاوہ سے واپسی کے بعد ان انگریز افسروں کو جو بسنت کی کمپنی کی پلٹن میں تھے اسی نواح میں چھوڑ دیا۔ ان کے سرکش افسر وعہدہ دار وزیر کے اہلکاروں کی طرف سے بغاوت کا اشارہ پاتے تھے واسی لئے فرماں برداری میں سستی کرتے تھے۔ اسی سبب سے ان میں آپس میں کبھی اتفاق نہ ہوا۔ چند پلٹنوں نے جو اٹاوہ کے نواح میں تھیں اور انگریزوں کی کمپنی سے (جو فرخ آباد کی چھاؤنی میں ٹھہری ہوئی تھیں) تعلق رکھتی تھیں بغاوت کی۔ انھوں نے اپنے سرداروں کو قید کر دیا اور ان سے تنخواہیں چھین لیں اور توپیں وبندوقیں لیکر نجف خاں کے لشکر میں چلے گئے۔ چند پلٹن جو کہ اس طرف تھیں انھوں نے اپنا ساز وسامان وہیں چھوڑ دیا اور تتر بتر ہوگئیں۔ ان کے جو افسر لکھنؤ پہنچے وہ توپ سے اڑا دیے گئے۔ ان جھگڑوں سے انگریزی حکام کو بہت تشویش ہوئی کہ جو ان کے حکمراں تھے۔ ان میں سے اکثر اس پریشانی میں دوآبہ کے زمینداروں کے ہاتھوں لوٹے اور مارے گئے۔ منجملہ ان کے ایک میجر ایلو (Glowe) تھے جنھوں نے بڑی کوشش سے اپنے کو مجھ تک پہنچایا۔ وہ میرے ساتھ چند دن پھپھوند میں رہے اور حفاظت کے ساتھ امن کی جگہ پہنچا دیے گئے۔ اس کے بعد انھیں انگریزوں نے بھاگنے والوں کو جمع کیا اور پلٹنوں کو مکمل کرکے ان کی کمان کرنل گاڈرڈ

کے سپرد کی۔

دوسرا واقعہ محبوب علی خاں کی دس ہزار فوج کا توڑا جانا ہے جو کہ کوڑا میں رہتی تھی۔ اس کی تفصیل یہ ہے کہ پلٹنوں کے جھگڑے کے بعد وزیر ان لوگوں سے بھی بدگمان ہو گیا اور خفیہ طور پر ایک انگریز حاکم کو ان کی تباہی کے لیے مقرر کیا۔ وہ حاکم چار پلٹنوں کے ساتھ مسافروں کے طریقہ پر محبوب علی خاں کی چھاؤنی کے قریب پہنچا اس سے ملاقات کی اور رات کے وقت پلٹنوں کو تیار کر کے ان کی طرف بڑھا۔ انھوں نے چھاؤنی کے قریب پہنچ کر بندوقیں اور توپیں چلانا شروع کر دیں۔ چونکہ محبوب علی خاں شہر کے اندر رہتے تھے کچھ ذی پیغ سردار کے علی اور پہرہ کے سپاہیوں کے علاوہ کسی کو خبر نہ تھی اس لئے وہ لوگ سراسیمہ ہو کر بھاگ کھڑے ہوئے۔ ان کا ساز و سامان فوج کے غنڈوں کے ہاتھوں لٹ گیا۔ محبوب علی خاں نے سوائے اطاعت کے کوئی صورت نہ دیکھی اور لکھنؤ روانہ ہوا۔ وہاں پہنچ کر ایک جاگیر اس کے خرچ کے لیے مقرر ہوئی اور اس نے چند سال بڑی فراغت سے گذارے۔ لیکن بعد میں وہ خرچ بند ہو گیا اور وہ شاہجہاں آباد (دہلی) چلا گیا۔ چند سال کے بعد وہ کو معظمہ گیا اور اسی جگہ سفر آخرت اختیار کیا۔ اب کوڑا کا چکلہ حیدر بیگ کی رائے سے الماس علی خاں کو دے دیا گیا۔ اس کے نائب بستی رام کے ظلم کی وجہ سے بیس لاکھ کی آمدنی گھٹ کر چھ سات لاکھ رہ گئی۔

غرضکہ ایرج خاں کے بعد مرزا حسن رضا خاں (جن کا ذکر ہو چکا ہے) خلوت اور جلوت میں وزیر کے پاس رہتا اور وہ نواب وزیر و مسٹر مسٹو کے بیچ میں سوال و جواب کا ذریعہ بنا ہوا تھا۔ اسی لئے وہ نائب مقرر ہوا۔ چونکہ وہ ملکی معاملات کے تجربوں سے بے بہرہ تھا اس نے مسٹر مسٹو کی یہ رائے ہوئی کہ کوئی دوسرا تجربہ کار اور معاملہ فہم آدمی اس کے ساتھ کام میں شریک کیا جائے

اس وقت اسمٰعیل بیگ شیرازی نے جو کہ ایران کے معمولی لوگوں میں تھا اور
دین و دیانت داری² اور اپنے آقا کی بہی خواہی سے بیرا تھا۔ اس زمانے میں
مسٹر برسٹو کے کاموں کا منتظم اور معتمد علیہ تھا اس نے خیالی نفع کے لالچ میں جس کی وجہ
سے بعد میں اس کو نقصان بھگتنا پڑا مسٹر برسٹو سے حیدر بیگ کی سفارش کی۔ مسٹر
برسٹو اس کی خوشامد اور سبز باغ دکھانے سے جس کا وہ مادہ تھا دھوکا کھا گیا اور
نائب سرکار کی خلعت سے رضا قلی کو دی گئی۔ نائب ملک کا عہدہ حیدر بیگ
خاں کو عطا ہوا۔ ٹکیت¹ رائے جو حسن رضا خاں کی طرف سے پیشکار اور حساب
کتاب کا نگراں مقرر ہوئے تھے راجہ جھگنا تھ سے پہلے دیوانی کے کاموں میں مستقل
لگا ہوا تھا اور حیدر بیگ خاں اپنے کو اس کے مقابلہ میں بہت حقیر سمجھتا تھا
وہ کاغذی معاملات میں ٹکیت رائے سے رجوع کرتا تھا اس سبب سے
دیوانی کا کام خود بخود ٹکیت کو ہو گیا اور ٹکیت رائے نے قوت حاصل کر لی۔
یہ یاد رکھنا چاہیے کہ ٹکیت رائے ایک کسان کا لڑکا تھا جو نواب شجاع الدولہ
کے عہد میں پندرہ روپیہ ماہوار پر جواہر خانہ کے تحویلدار خوش نظر خواجہ سرا کا ملازم تھا
اور اس میں خیانت کرنے کی وجہ سے نواب مرحوم کے پورے عہد میں قید رہا تھا
ان کی وفات کے بعد آزاد ہوا۔ اب وہ اکبر علی خاں کا ملازم ہو گیا جو مختار الدولہ

---

¹ ٹکیت رائے ایک بہت معمولی گھرانے میں پیدا ہوا تھا اور شجاع الدولہ کے زمانہ
میں جواہر خانہ کی ایک معمولی نوکری پر ملازم تھا۔ ۱۷۷۶ء میں حسن رضا خاں نے آصف الدولہ
کا نائب مقرر ہونے کے بعد اسے پیشکار اور حساب کتاب کا سپرنٹنڈنٹ بنایا۔ ۱۷۹۱ء
میں حیدر بیگ خاں کے بعد سے نائب مقرر کیا گیا لیکن اپنے بدیانتی کی وجہ سے ۱۷۹۶ء میں
ہٹا دیا گیا۔ اس کی جگہ مقرر کیا گیا (Ibid P147)

کے دیوان خانہ کا داروغہ تھا اور اس ذریعہ سے اس نے انور علی خاں تک رسائی حاصل کر لی کہ جو مختار الدولہ کا کارکن تھا۔ وہ اپنے مسخرہ پن و چغل خوری کے باعث اس کے مزاج میں دخیل ہو گیا و ہر شخص کے معاملہ میں دخل دینا شروع کر دیا۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ اس نے حسن رضا خان کی معمولی خدمت کی تھی اور اس وقت اس عہدہ پر مقرر ہو گیا۔

اس سال کے آخر میں مسٹر برسٹو اپنے عہدہ سے ہٹا دیئے گئے اور مسٹر مڈلٹن دوسری دفعہ لکھنؤ کے انتظام کے لئے مقرر ہوئے۔ اس وقت حیدر بیگ پر اس کے مذکورہ بالا احسانات کے باوجود اس کی طرف سے مسٹر برسٹو کو روحانی اذیت پہنچی حیدر بیگ کی یہ بدسلوکی کسی فائدہ کے حصول کے لئے نہ تھی بلکہ یہ اس فطری عادت کے تقاضے سے عمل میں آئی۔ جس شخص نے بھی اس کے ساتھ نیکی کی اس نے اس کے بدلہ میں برائی کی۔ چنانچہ نواب بیگم، بہار علی خاں، مرتضیٰ علی خاں، سید محمد خاں، مسٹر جانسن، مسٹر برسٹو اور میجر پامر کہ جن میں سے ہر ایک اس کا محسن تھا سب کے ساتھ اس نے یہی سلوک کیا۔ اس کا جو برتاؤ مدد کی پاداش میں تفضل حسین خاں کے ساتھ عمل میں آیا۔ اس کا مفصل ذکر بعد میں کیا جائے گا۔

وقائع ۱۱۹۱ھ ہجری

مطابق ۷۸-۱۷۷۷ عیسوی

اس سال کرنل گاڈر کہ جو نواب وزیر کا ملازم تھا اپنی فوج کے ساتھ دوآبہ کے باغیوں کے قلعوں کو ڈھانے اور ان کی قوت کو توڑنے کے لئے مقرر ہوا۔ پہلے وہ کوڑا آیا۔ الماس علی خاں کے نائب بسنی رام (کہ جو اپنے ظلم کی زیادتی کی وجہ سے اجاڑ رام کے نام سے مشہور تھا) نے مفسدوں کے بجائے چند زمینداروں کو مصیبت

کے تیر کا نشانہ بنایا۔ اس کے بعد وہ زین العابدین خاں کے علاقہ میں چلا گیا اور اس جگہ ایک ایسا واقعہ عمل میں آیا جو کہ انگریزوں کے لیے باعث حیرت بنا اور انھوں نے اس حکم کو منسوخ کردیا۔ وہ معاملہ یہ ہے کہ پرگنہ تالگام میں فتح چند پاٹھک نامی ایک تعلقدار تھا جس کے پاس پانچ چھ ہزار روپیہ مالگذاری وا اسی قدر زمینداری کی آمدنی تھی۔ اپنی جوانی کے غرور و جرأت کے تقاضہ سے کبھی کبھی بغاوت کرتا تھا۔ کرنل گاورنے اس کے قلعہ کا کہ جو میدان میں تھا اور کچھ زیادہ مضبوط نہیں تھا محاصرہ کیا اور تین روز کے بعد قلعہ میں سوراخ کرکے تمام کمپنی کو حملہ بولنے کا حکم دیدیا۔ پاٹھک تین سو آدمیوں کے ساتھ قلعہ سے نکلا اور اسی سمت سے بھاگنے کا ارادہ کیا جدھر کرنل تھا۔ اس طرف کی فوج نے اسے روکا۔ سخت جنگ شروع ہوئی کہ جس میں تقریباً چار سو سپاہی اور دس انگریز افسر مرے و زخمی ہوئے اور پاٹھک مذکور صحیح سالم معرکہ جنگ سے بھاگ گیا۔

اسی سال حیدر بیگ نے صورت سنگھ کو معزول کردیا کہ جو بریلی کے علاقہ سے تقریباً ستر لاکھ روپیہ وصول کرتا تھا۔ اب یہ علاقہ کندن لال اور دو تین کائستھوں کو دیدیا گیا کہ جو روہیلہ خاندان کے متوسلین میں سے تھے۔ وہ دو سال تک مقرر رہے اور اس مدت میں انھوں نے بہت سی رعایا کو فیض اللہ[1] خان کے علاقہ میں بھیجدیا۔ اسی وقت سے اس علاقہ کی ویرانی شروع ہوئی۔ آخر میں یہ کائستھ خیانت کی وجہ سے قید ہوگئے اور وہیں مرگئے۔ مہاجنوں اور تاجروں کا بہت سا روپیہ ان کے ذمہ رہ گیا۔ صورت سنگھ کو معزول کرنے میں حیدر بیگ نائب کی غرضمندی کے سوا اور کوئی مصلحت نہیں تھی۔

اسی سال خواجہ سراؤں کے سردار اور نواب وزیر کے خاص مقرب میاں آلماس کا رسالہ

---

[1] نواب فیض اللہ خاں روہیلہ سردار علی محمد خاں کا لڑکا تھا۔ ریاست رامپور اس کو باپ سے ورثہ میں ملی اور یہی موجودہ ریاست رامپور کا بانی تھا۔ شجاع الدولہ وانگریزوں سے ۱۷۷۴ء میں شکست کھانے کے بعد یہ لال ڈھانگ میں قیام پذیر ہوا۔ کچھ جھڑپوں کے بعد اس کے و نواب وزیر کے درمیان انگریزوں کے اثر سے ایک معاہدہ ہوا جس میں یہ طے پایا کہ ریاست رامپور وقت ضرورت پر نواب کی فوجی خدمت کرے۔ بعد میں ۱۷۸۲ء میں انگریزوں کے اثر سے فوجی خدمت کے بجائے اسے ہر سال ۱۵ لاکھ روپیہ سالانہ نقد کی شکل میں دینا پڑا۔ ان کی پیدائش ۱۷۳۳ء میں ہوئی و سنہ وفات ۱۷۹۳ء ہے۔

(Ibid. p 4 : RAMPUR STATE GAZETTEER)

توڑ دیا گیا جو چند ہزار اچھے پیادوں و سواروں پر مشتمل تھا۔ چھوٹے گنا میں نے کہ جو دو تین ہزار سواروں کے ساتھ صوبہ میں رہ گیا تھا ذوالفقار الدولہ کے پاس جانے کا ارادہ کیا۔ وہ دریائے گنگا کو پار کیا۔ بھوڑ گھاٹ کے کنارے تیرچند خزانچی کے عزیزوں میں سے چند آدمی اشنان کے لیے آئے تھے جن کو گرفتار کر کے وہ لوگ اپنے ساتھ لے گئے۔ بعد میں نواب وزیر کا حکم ان کی رہائی کے لیے وہاں کے حکام کے پاس پہنچا۔ باوجود اس کے کہ وزیر کے ملک کی سرحد تک سات میل کی مسافت تھی کسی نے راستہ روکنے کی جرأت نہ کی اور کئی سال تک خزانچی کے اعزہ اس کے قیدی رہے یہاں تک کہ تیرچند نے گنا میں کو اس کی تنخواہ دے کر انھیں آزاد کرا لیا۔

اس سال کے دوسرے واقعات میں سے ایک زین العابدین خاں کی معزولی اور تباہی ہے۔ یہ بات ذہن میں رکھنا چاہیے کہ حیدر بیگ خاں اپنی وزارت کی ابتدا سے بہت زمانہ تک خیرخواہی کے بہانہ شجاع الدولہ کے جانشینوں سے اپنے بھائی کے خون کا بدلہ لینے کا درپے تھا۔ اس کا ارادہ یہ تھا کہ ان کا کوئی نام و نشان نہ چھوڑے لہٰذا ہمیشہ رعایا کو تباہ کرنے اور ملک کی بربادی میں کوشاں رہتا تھا۔ نواب وزیر کے قدیم کارکنوں و شرفا میں سے ہر شخص کو ہٹا کر ان کی جگہ گمنام لوگوں کو مقرر کرتا تھا اور انگریزوں میں سے کوئی بھی اگر اس کی اصلاح کی کوشش کرتا تو اس کو روک دیتا تھا۔ یہاں تک کہ اس کے علاوہ کوئی بھی صاحب اختیار باقی نہ رہا۔ اس وقت وہ پورے طور سے خود مختار تھا اور اس کی حالت اس شعر کے مطابق تھی:

ہر اسوز کہ تا رت بہر کبریا افتد   چو خس تمام شود شعلہ زیبا افتد

اب اس نے اپنے پہلے ارادے کو ترک کر دیا۔ اگر وہ معاملہ فہم اور تجربہ کار تھا تو یہ سب کام نہیں بد انتظامی کا معنی رکھتی ہے؛
غرضکہ حیدر بیگ خاں نے جو زین العابدین خاں کی تباہی اور بربادی چاہتا تھا میں تحصیل وصول کے زمانہ میں اس کو لکھنؤ بلایا اور دوآبہ کے استحکام کے لیے دوسروں سے سوال و جواب شروع کیا۔ اس کی وجہ سے زمینداروں کو منتقل کرنا پڑا اور اس علاقہ کی تحصیل وصول میں دیر ہوئی۔ اس کے بعد زین العابدین خاں کو واپس کر دیا اور بسیاکہ کے جیسے حسن الماس علی خاں کو اس کام کا امیدوار بنایا۔ کوٹا کے نائب لبھی رام نے بیوقوفی کر کے اس زمانہ میں اس علاقہ کے اکثر زمینداروں کو اس راستے آگاہ کر دیا اور وہ لوگ لبھی رام کے مہر شدہ خط لیکر لکھنؤ پہنچے۔ چونکہ یہ سب حیدر بیگ کے اشارہ پر ہوا تھا اس لیے اس نے اس کا کوئی تدارک نہیں کیا۔ ابھی برسات شروع نہیں ہوئی تھی کہ ایک دوسری ترکیب کی اور اپنے زادہ کو کلی جامہ پہنایا۔ وہ یہ کہ اسمٰعیل بیگ شورتی نے اس کے (حیدر بیگ کے) اشارہ سے

مسٹر شاہ تمکین کو اطلاع دی کہ زین العابدین خان نے اپنے متعلقین کو رشوت کے بدلے بلا پیچھے کہ وہ لوگ
الکاتھی صاحب کے گر بڑھ گئے ہیں اور عنقریب اندھیر ہوگا۔ آپ کے پہنچتے ہی زین العابدین باہر اسباب ٹین کو پکڑ لیں اور
وصول کی ہوئی رقم کے ساتھ خود اقتدار الملک کے لشکر میں چلا جائے گا لہذا حیدر بیگ خاں نے اسی وقت اس کے
خاندان کے لوگوں کی گرفتاری کا حکم دیا اور اسی کے ساتھ خان موصوف کو معزول کر دیا۔ حالانکہ زین العابدین
کا خاندان حیدر بیگ کی اطلاع کے مطابق گو پتی کے راستے سے گیا تھا اور اس کے معزول ہونے کے
ایک مہینہ بعد لکھنؤ پہنچا اور جو کچھ اسمعیل بیگ نے ظاہر کیا وہ تہمت تھی۔ غرضیکہ زین العابدین خاں کی معزولی
کے بعد وہ محالات جن کی آمدنی شروع میں چند سال پچاس لاکھ اور ہمارے وقت کے زمانہ میں پچیس
لاکھ تھی۔ الماس خاں کو تیس لاکھ میں دیا۔ الماس خاں نے مسلسل کمی کی حتی کہ کم ہو کر پچیس لاکھ
کم رہ گئی۔ دوسرے یہ کہ زین العابدین خاں کا دس لاکھ روپیہ جو اس کے ذمہ واجب تھا جو الماس خاں کو حوالہ کر دیا
اس کے سات لاکھ روپیہ زین العابدین خاں پر بقایا نکالا اور ان کو قید کر دیا لیکن بعض رکاوٹیں پیش آئیں اور
وہ ایسا نہ کر سکا۔ زین العابدین خاں نے چند طلبیدان جھگڑوں کی فضیحت کے اثر سے وفات پائی۔

اس گڑبڑ میں میرے اوپر جو مصیبتیں گذریں وہ اس طرح کہ کانکڈا کی طرف سے جو معاملات مجھ سے
متعلق تھے ان کے سلسلہ میں تمام سال الستی کی وجہ سے جھگڑے رہا اس وقت الماس نے اس علاقے کے سرکش زمینداروں
کو اشارہ کیا کہ مجھے لوٹ لیں۔ چنانچہ چاروں کے عوض میں دس ہزار سے زیادہ چھوٹی چھاؤنی میں جمع ہو گئے لیکن
چونکہ چھاؤنی کے اطراف میں مٹی کے ٹیکرے برجوں کی شکل میں واقع تھے اور ان ٹیکروں کے بیچ میں جو چھوٹی
خندقیں مٹی نکالنے سے بن گئی تھیں انھوں نے قلعہ کی صورت پیدا کر لی تھی غرضیکہ ان کو روکنے کا سبب بن
گئے۔ اس ہنگامہ میں چند روز محاصرہ میں گزرے اور چار پانچ سو سپاہیوں کے ساتھ ہر وقت مرنے کو
تیار رہا۔ اس کے بعد میں نے باہر نکلنے کا ارادہ کیا اور یہ مشہور کیا کہ گو پتی کے راستے سے جو گھاگھرا کا ایک علاقہ ہے
تفریح کے گھاٹ کی طرف کو جاؤں گا جہاں زین العابدین خاں کے ٹھہرنے کی جگہ تھی اور جو کوئی بھی
میرا راستہ روکے گا اس سے جنگ کروں گا حالانکہ میرا ارادہ یہ تھا کہ گو پتی کے راستے سے جو گھاگھرا کے مشرق میں ہے
لکھنؤ جاکر زین العابدین خاں سے ملاقات کروں صاحب موصوف کو اطلاع کی اور تمام جماعت رات ہی وقت روانہ ہو گئی

میں پیل گئی اور وہ لوگ گھاٹ کی جگہوں پر میرے آنے کے انتظار میں بیٹھ گئے۔ صبح جب سامان لدگیا تو اس کو کوڑا کی طرف روانہ کر کے خود میں اپنے ساتھیوں اور تین چار توپوں کے ساتھ سامان و دو ہزار راجپوتوں کے درمیان حائل ہو گیا۔ جب میرا سامان تقریباً تین میل دور جا چکا تھا اس وقت میں بندوقیں چلانے جنگ کرتا ہوا روانہ ہوا۔ یہ حالت دیکھ کر راجپوت حیران رہ گئے اور مجھے پھانسنے کے لئے اپنی شیریں کلامی کا دانہ جال میں ڈالا مجھے پیغام بھیجا کہ اس راستے سے تمھارا جانا ہماری بدنامی کا سبب ہوگا۔ مناسب یہ ہے کہ سامان کو چھوڑ کر اسی راستے سے دو تین منزل بعد رانج گھاٹ میں دریا عبور کر کے چلے جاؤ تاکہ ہم دعوت کا انتظام کر کے حق گذاری ظاہر کریں۔ میں نے جواب دیا کہ اس وقت باتوں پر بھروسہ کرنے کا وقت نہیں ہے۔ اگر سچ کہتے ہو تو تمھارے فلاں فلاں سردار ہمارے حلقہ میں آجائیں تاکہ تمھاری بات قبول کی جائے۔ وہ لوگ انتہائی لالچ اور غرور کی وجہ سے حاضر ہو گئے۔ میں ان کو باتوں میں لگا کر راستہ طے کرتا رہا۔ یہاں تک کہ کوڑا کے نزدیک ہونے کے نشان نظر آنے لگے۔ اب وہ سوار بہت زیادہ بے چین ہوئے اور واپس جانے کی درخواست کی کیونکہ انھوں نے یہ خیال کیا کہ ان کو وہاں کے عامل بستی رام کے سپرد کر دوں گا۔ اور اس طریقہ پر چھٹکارا پا کر لکھنؤ چلا جاؤں گا۔ میں نے ان سے باقی رقم طلب کی وہ بہت حیلے حوالوں کے بعد دس ہزار روپیہ ان سے لے کر انھیں واپس جانے کی اجازت دی۔ بستی رام نے میری جرأت و تدبیر دیکھ کر سابقہ کدورتوں کو دل سے نکال دیا اور میری خاطر کی۔

دوسرے دن شیو راج پور گھاٹ سے دریا عبور کر کے لکھنؤ پہنچا۔ اس کام سے جو حالات سے مجبور ہو کر میں نے کیا تھا میری بڑی شہرت ہوئی۔ لکھنؤ پہنچنے پر حیدر بیگ خاں نے یہ پیغام کہلایا کہ زین العابدین خاں کی حمایت ترک کر کے میں اس کی دوستی اختیار کر دوں۔ میں نے معذرت کی۔ یہ پہلی کدورت تھی جو میری طرف سے اس کے دل میں بیٹھی۔ دوسری بات سید جمال الدین خاں کے تورانی سواروں کے رسالوں کا توڑا جانا ہے کہ جس میں بڑے ہنرمند جوان اور نہایت عمدہ و مضبوط گھوڑے تھے وہ آبہ کے علاقہ میں جو مجھ سے متعلق تھا متعین تھے۔ اس جماعت کے اکثر لوگ جو

الگ کر دیے گئے ذوالفقارالدولہ کی فوج میں شامل ہو گئے۔

وقائع ۱۱۹۲ ہجری

مطابق ۷۹-۱۷۷۸ عیسوی

اس سال مرزا سعادت علی خاں اکبر آباد سے لکھنؤ واپس آئے۔ اس کی تفصیل یہ ہے کہ جب مرزا موصوف اشارہ سے ذوالفقارالدولہ کے لشکر میں پہونچے تو اس نے ان کی بڑی تعظیم کی اور اطمینان دلایا۔ دبیانہ کا پرگنہ ان کو بطور جائداد کے دیا۔ اس کے علاوہ ان کو دریائے چنبل کے دوسری طرف کے علاقہ کو فتح کرنے کا لالچ دیا۔ وایک بہت بڑی جماعت نواب وزیر کی فوج کے بھاگے ہوئے لوگوں کی ان کے پاس اکٹھا ہو گئی۔ وہ پرگنہ بیانہ گئے۔ وہاں کے ایک زمیندار سے جنگ کرنے میں شکست کے آثار اس پر ظاہر ہوئے اور وہ امیرالامراء کے لشکر کی طرف واپس چلا گیا۔

اس کے بعد سعادت علی خاں نے تفضل حسین خاں کے بھائی رحمت اللہ خاں کو مسٹر برسٹو کے پاس بھیجا اور اپنے صوبہ میں واپس لوٹنے کی اجازت مانگی۔ ایک مدت کے بعد اجازت ملی تو لکھنؤ آئے اور بھائی سے ملاقات کر کے بنارس گئے۔ اس وقت وہیں سکونت اختیار کئے ہوئے ہیں۔ دو تین لاکھ روپیہ جو ان کے گذارہ کے لئے اس صوبہ سے مقرر ہیں۔ وہ بغیر تقاضہ کے وقت مقررہ پر پا جاتے ہیں۔

تفضل حسین خاں اس سفر میں سعادت علی خاں کی ملازمت چھوڑ کر گودا چلے گئے اور وہاں سے میجر پامر کی مدد سے کلکتہ گئے جہاں وہ گورنر ہیسٹنگز کے ملازم ہوئے و مسٹر انڈرسن[1] کی

---

[1] ڈیوڈ انڈرسن "David Anderson" گورنر جنرل وارن ہیسٹنگز اہم معاملات کے طے کرنے میں ان کی خدمات حاصل کرتا تھا۔ پہلی مرہٹہ لڑائی کے خاتمہ پر ۱۷۸۲ء میں انہیں مادھوراؤ سیندھیا سے گفت و شنید و صلح کرنے کے لئے بھیجا۔ ان کا بھائی لفٹنٹ جیمس انڈرسن ان کے اسسٹنٹ ہو کر ان کے ساتھ گئے۔ یہ سیندھیا کے دربار ریاقی صفحہ پر

ہمراہی میں مقرر ہوئے۔ جو بیٹل کے معاملات میں ثالث مقرر ہوا تھا۔ اس صلح کے ہو جانے کے بعد کہ جو سیکڑوں فسادوں کی جڑ تھی وحید بیگ کی رفاقت اختیار کرنے سے قبل ہر جگہ اور ہر کام میں پیر پا مرکے مصاحب و مشیر رہے چنانچہ اپنی جگہ پر اس کا ذکر کیا جائے گا۔

غالباً اسی سال مرزا جنگلی کہ جس کا اوپر ذکر ہو چکا ہے تنخواہ کی تکلیف سے پریشان ہو کر ذوالفقار الدولہ کے لشکر میں چلا گیا۔ امیر الامراء نے اس کو غنیمت سمجھ کر اس کی خوش حالی کے سامان مناسب طریقہ پر کیے۔ مرزا جنگلی نے ان کی زندگی بھر اور ان کے مرنے کے بعد بھی ایک مدت تک اس نواح میں زندگی گذاری اور غالباً ۱۲۰۷ ہجری میں لکھنؤ واپس لوٹا۔

معلوم ہونا چاہیئے کہ حیدر بیگ خاں نے نواب مرحوم کے رشتہ داروں کو نوکروں سے بھی زیادہ تکلیفیں پہنچائیں۔ چنانچہ جو شہزادے لکھنؤ میں رہتے ہیں ان میں سے ہر ایک کے نام ایک ایک ہزار روپیہ مہینہ مقرر ہے لیکن ان کے دینے میں وعدہ خلافی ہوتی ہے اور ان لوگوں کی اہانت کی جاتی ہے۔ اس کی وجہ سے وہ فاقے کرتے ہیں۔ محل کی جو عورتیں فیض آباد میں ہیں وہ تنخواہ دیر میں ملنے کے سبب بھوک کے غلبہ سے بعض وقت ایسی مجبور ہو جاتی ہیں کہ ان کی سو دو سو لونڈیاں حرم سرا سے باہر نکل کر بازار سے غلہ اور دیگر ضرورت کی چیزیں لوٹ کر محل میں لے جاتی ہیں۔ اس وقت تک کئی دفعہ ایسا ہو چکا ہے۔ مرحوم نواب کی لڑکیوں کی شادی کی فکر اخراجات نہ ہونے کے باعث اس وقت تک کسی نے نہیں کی۔ نواب عالیہ کہ جو شجاع الدولہ کے زمانہ سے بیٹے کے کاموں سے الگ ہیں ایک لاکھ روپیہ پر قناعت کر کے گذر کر رہی ہیں وہ اتنی بڑی جماعت کی خبرگیری کی طاقت نہیں رکھتی ہیں۔ شجاع الدولہ نے اپنے

(حاشیہ بقیہ) میں ۱۷۸۹ء تک پولیٹکل ریذیڈنٹ رہا۔ اور وارن ہیسٹنگز کی انگلستان واپسی کے بعد اس کے بھائی جیمس اینڈرسن نے اس کی جگہ پر کی۔ [illegible] میں کمیٹی آف ریونیو Committee of Revenue کا ممبر تھا اور وہ وارن ہیسٹنگز کے مشہور مقدمہ میں [illegible] تھا (BUCKLAND, op. cit., P. 13)

زمانہ میں حتی الامکان انھیں روپیہ دینے سے دریغ نہیں کیا اور اس کے مرنے کے بعد ان لوگوں کی حالت خراب ہو گئی۔ نواب بیگم کہ جن کے پاس بہت بڑی جاگیر اور بہت آمدنی ہے اپنی تنگ دلی، بے حیائی اور فارغ البالی کے باعث کہ جن کی تفصیل بیان کرنا بیکار ہے کبھی بھی توجہ کی نظر ان لوگوں کے حال پر نہیں ڈالتی ہیں۔ ستم ظریفی یہ ہے کہ جس وقت نواب مرحوم کا ایک لڑکا بھوک سے تنگ آکر کلکتہ چلا گیا اور گورنر نے وزیر کو نصیحت کی تو اس نے جواب دیا کہ جوانی کی چہل کی وجہ سے وہ لڑکا وہاں گیا ہے۔ اس کو اطمینان دلا کر ہمارے پاس بھیج دیا جائے۔ کہاں بھوک کی شدت سے رنج و تاب اور کہاں جوانی کی چہل و غرور۔

ع ز عشق تا بہ صبوری ہزار فرسنگ است

یہ بات ذہن میں رکھنا چاہیئے کہ نواب وزیر اور حیدر بیگ کا یہ بخل مستحق لوگوں کے معاملہ میں کو پورا کریں اس طرح تھا لیکن خود ان کی فضول خرچی اس حد تک بڑھی ہوئی تھی کہ اگر اس کو روکا جاتا تو ایک بڑا لشکر آراستہ ہو جاتا۔ اس کی تفصیل یہ ہے کہ نواب وزیر پھاگن کا پورا مہینہ ہولی کھیلنے، شادیاں اور چراغاں کرنے میں گذارتا تھا۔ ایک سال میں ان رسمی کاموں کے لئے پانچ چھ لاکھ روپیہ مقرر ہیں۔ اسی طرح محرم کے چند دنوں کا خرچ اور اس کے فیل خانہ، اصطبل و جونے خانہ کے خرچ کا اس سے اندازہ کرنا چاہیئے کہ بارہ سو ہاتھی، دو تین ہزار گھوڑے و ایک ہزار کتے راتب پاتے ہیں۔ ان میں سے چار سو ہاتھی، پانچ سو گھوڑے اور سو کتے سواری و سفر کے لئے مقرر ہوں گے وباقی حرام خور لوگ محض چوری کی خاطر انھیں رکھے ہوئے ہیں۔ حد یہ ہے کہ جب ایک کتا مر جاتا ہے تو کتوں کا نگراں اس کے بدلے میں گلی سے کوئی کتا پکڑ کر اس کی گردن میں پٹہ ڈال دیتا ہے۔ اسی طرح کبوتر خانہ، مرغ خانہ، دُنبے، ہرن، بندر، سانپ، بچھو وکڑی خانوں کا خرچہ اس قدر ہے کہ جو نواب مرحوم کی تمام اولاد اور اہل حریم کے لئے کافی ہو۔ ان لئے کہ تین لاکھ مرغ اور کبوتر پر دانہ کھاتے ہیں۔ ان میں سے چند سانپ ہیں جن کے ہر جوڑے کا راتب ایک من گوشت ہے۔ آدمی کے علاوہ یہ تمام چیزیں خصوصاً بھائیوں اور پرانے ملازموں کے مقا

ہیں وزیر کی نظر میں پسندیدہ ہیں۔ اس کے علاوہ نواب وزیر کے محل کے عملہ کا خرچ ہے کہ جن کی تعداد ہزاروں تک پہنچتی ہے۔ ان میں دو ہزار فراش، ایک ہزار چوبدار، چار ہزار، مالی اور سیکڑوں اور چی ہیں۔ اس کے باورچی خانہ کا خرچ دو تین ہزار روپیہ یومیہ ہے۔ شہدوں و بیکاروں کی تعداد کہ جو سفر میں خیمہ اور اس کے گھاس پھوس کے بنگلوں کا سامان اٹھاتے ہیں ان کی تعداد دس ہزار تک پہنچتی ہے کہ جن کو روزانہ کی خوراک ملتی ہے۔ اس کے تمام اخراجات کو لکھنا امکان سے باہر ہے۔ حیدر بیگ خاں کی فضول خرچی کا اندازہ اس بات سے ہوگا کہ ٹکیت رائے نے اس کے مرنے کے بعد اس کے خاصہ کے اخراجات پچاس لاکھ ظاہر کئے۔ یہ فضول خرچی نواب وزیر، حیدر بیگ، مرزا حسن رضا خاں اور ٹکیت رائے کے لئے مخصوص نہیں تھی بلکہ جس شخص کا بھی ہاتھ ملک و خزانہ تک پہنچا بغیر کسی باز پرس کے خوف کے اس نے بھی ویسا ہی کیا۔ چنانچہ الماس کے چیلے فتح علی خان نے چند سال میں لکھنؤ کے اندر تماشابینی پر بیس لاکھ روپیہ خرچ کئے۔ اور الماس علی خاں کے دیوان نے آتی سرائیں تالاب، مسجدیں اور مندر تعمیر کئے کہ ان کا خرچ بھی اس سے کم نہ ہوگا۔ الماس خاں اور ٹکیت رائے کے بعض ساتھیوں اور عہدہ داروں کے اخراجات اتنے ہیں کہ پچھلے زمانہ میں نواب وزیر کے رہے ہوں گے۔ یہی حال حکام اور ان کے متعلقین کا ہے۔ جن کی فضول خرچی کی کوئی انتہا نہیں ہے۔

اسی طرح تمام معاملات میں مثلاً خوراک، پوشاک، تماشابینی، تعمیر عمارات اور مردانہ و زنانہ کا خرچ ایسا ہی ہے۔ لکھنؤ کے شرفاء آمدنی کی کمی سے اتنا پریشان نہیں ہوتے جتنا اس سبب سے عاجز ہیں کہ اگر لباس اور شادی و غمی کے اخراجات میں کمی کریں گے تو شرفا سے نچلے طبقے میں شمار کئے جائیں گے اور اگر فضول خرچی کریں گے تو خوش حالی ضروری ہے۔ اس بنا پر مجبوراً دوسروں کا مال حاصل کرنے کی فکر کرتے ہیں، اور اسی وجہ سے بہت سے گھر برباد ہو جاتے ہیں۔

اس سال کے دوسرے واقعات میں کرنل ہانی کا سرکار کے تمام علاقہ کا ٹھیکہ لینا اور میری اس علاقہ میں تقرری ہے۔ اس کی تفصیل یہ ہے کہ کرنل موصوف نے حیدر بیگ سے درخواست کی کہ حکومت کے قابل اعتماد لوگوں میں سے چند آدمی کہ جو تجربہ کار ہوں اس کے ساتھ مقرر کئے جائیں۔ حیدر بیگ خاں نے چھ آدمی مقرر کئے جن میں سے ایک میں بھی تھا کیونکہ کرنل کی بداخلاقی اور حیدر بیگ کی انگریزوں کے دوستوں کے ساتھ ایذا رسانی لوگوں میں مشہور تھی اس لئے میں نے کرنل کے ساتھ جانے سے انکار کیا اور اس خدمت سے معذرت چاہی لیکن حیدر بیگ خاں نے یہ سوچ کر کہ میری عزت کا جامہ کرنل کے غصہ کی آگ سے جل جائے اور اس نافرمانی کا کینہ کہ جس کا اس سے پہلے زین العابدین خاں کے معاملہ میں ذکر ہو چکا ہے، بڑھ جائے۔ یہ درخواست قبول نہیں کی اور کہا کہ نواب وزیر کے حکم کے مطابق کرنل ہانی کی خدمت کرنا چاہیئے۔ مجھ کو اس وقت یہ حکم ہے کہ جو انگریزوں سے تعارف اور توسل کا آغاز و سبب بنا بہت گراں گذرا لیکن مجبوراً بادلِ ناخواستہ اسے مان لیا۔ یہ بہت عجیب بات ہے کہ باوجود اس کے کہ حیدر بیگ اور اس کے ساتھیوں نے انگریزوں سے میرے تعلقات کو حقارت سے منسوب کیا اور عوام کو میرے خلاف بھڑکایا اور اپنے تعلقات کو جو کہ نفسانی اغراض کے حصول کے لئے اس قوم سے قائم کئے ہوئے تھے انتہائی حیا اور مروت سے سامنے نہیں لائے۔ خدا خود شناسی کی توفیق سب کو عطا کرے!

غرضکہ دوسرے پانچ آدمیوں میں سے کہ جن کو میرے مقابلہ میں حیدر بیگ کی حمایت حاصل تھی بعض سے بددیانتی ظاہر ہوئی اور کچھ کاہلی و نااہلیت کی بنا پر کرنل کی نظروں میں گر گئے۔ صرف میں نے اپنے بے سہارا ہونے اور عزت بچانے کے خیال سے سر ہتھیلی پر رکھا اور روپیہ پیسہ کا لالچ نہیں کیا۔ کرنل کو میرے ساتھ بہت موافقت نظر آئی۔ یہاں تک کہ تمام سپاہیوں اور اپنے علاقہ کا انتظام کہ جس کی آمدنی چالیس لاکھ تک پہنچی تھی میرے سپرد کر دیا اور ایک ہزار روپیہ ماہوار اپنے پاس سے میرے لئے مقرر کیا۔ میں نے ملازمت سے انکار کیا اور رعایت کا قبول کرنا آخر سال پر انحصار رکھا اور میں نے اپنے حق میں ان کی خوشنودی حاصل کرنے کا خیال اس وقت تک کے

لیے چھوڑ دیا اس سے میری غرض یہ تھی کہ اس کی رضامندی کے باوجود یہ معاملہ سال کے اختتام پر عمل میں آئے گا۔ اگر اس درمیان میں کوئی بات اس کی مرضی کے خلاف ظاہر ہوگئی تو اس فرم کی وجہ سے کہ میں اس کی خدمت کرتا ہوں درگذر کرے گا۔ یہ تدبیر بہت نافذ مند ثابت ہوئی۔ اس طرح تین سال محبت اور موافقت کے پورے ہو گئے اور ایک غلطی کی بنا پر کہ جو میرے ماتحتوں سے ملکی کام میں سرزد ہوئی کرنل نے مجھ پر اعتماد کرنے کے سبب سے میری غلطی نہیں سمجھا اور انھیں لوگوں سے باز پرس کی۔ لیکن حیدر بیگ اور ٹکیت رائے کی ناراضگی کا مواد اس مدت میں بہت بڑھ گیا۔

اس کی تفصیل یہ ہے۔ حسام پور کے پرگنہ میں ایک تعلقہ تھا کہ جس میں تیرہ گاؤں تھے ان میں سے ہر گاؤں میں کچھ حصہ تعلقہ داروں اور باقی زمینداروں کا تھا۔ ایک تعلقہ دار نے حیدر بیگ خاں کی حمایت حاصل ہونے کی وجہ سے زمینداروں کے حصہ کی بہت سی زمین جو خالی پڑی تھی اس پر قبضہ کر لیا اور پانچ ہزار روپیہ اس کے بدلہ میں سرکاری خزانہ میں جمع کر دیا دنفع اپنے طرفداروں کی شرکت سے خرد برد کر دیا۔ کیونکہ وہ تعلقہ کرنل کی ٹھیکہ داری سے الگ تھا کرنل نے پیمائش کرا کر پچاس ہزار روپیہ اس تعلقہ سے وصول کر لئے اور تعلقہ دار کو الگ کر دیا۔ اس طرح کے دوست و شریک کاران دونوں (حیدر بیگ و ٹکیت رائے) کے اس علاقہ کے زمیندار اور تعلقہ دار بہت سے تھے وہ سب کے ساتھ یہی برتاؤ کیا۔ چونکہ کرنل کے سارے کام میں ہی کرتا تھا اور ٹکیت رائے و حیدر بیگ اس بات سے خوب واقف تھے کہ تجربہ کار کرنل اپنی معاملہ فہمی کی وجہ سے اس کے ارادہ میں رکاوٹ نہیں ڈال سکتا ہے ان لوگوں کے کاموں کی غلطی میرے سر منڈھ دی۔ کیونکہ کرنل سے میرا تعارف خود انھوں نے ہی کرایا تھا اس سے پشیمان ہوئے اور دلوں میں کینہ رکھنے لگے۔

دوسرا واقعہ اسمٰعیل بیگ شورشی اور تفضل حسین خاں کا الہ آباد میں تقرر ہے۔ اسمٰعیل بیگ ٹھیک کی خدمت کے بہانہ اور مسٹر ڈلٹن کے توسل و حیدر بیگ خاں کی دوستی کی وجہ سے

صوبہ کے افسروں کے کاموں میں دخل دیتا تھا۔ ابتدا میں وہ افسروں کی کمزوریاں جان کر ان سے رشوت لیتا و اسی سبب سے وزیر اور دربار کے تمام اہلکاروں سے رعایتیں پاتا۔ جب اس نے بہت سارو پیہ جمع کر لیا تو قسط کی پیشگی رقم کو جس پر اس حکومت کے حاکموں کی خلعت و ملازمت کی مستقل موقوف ہے عامل کو دیتا اور چار فیصدی سود لینے کے باوجود اس علاقہ میں دخل دیتا تھا۔ چنانچہ اس ترکیب سے ایک بہت بڑا علاقہ الہ آباد میں حاصل کر لیا اور سب کی نظر میں تھا۔ اسی وقت اس جگہ کا کام ایک مناسب رقم پر مرزا محمد حسن خاں ساکن بنارس کے سپرد کر دیا گیا جو کہ ایران کے شرفا میں سے ایک نیک آدمی تھا۔ اسمٰعیل بیگ شوری نے ایک پیشگی رقم اس کو بطور قسط دی و صدر دفتر میں اس کا ایجنٹ ہو گیا اور اس کا منافع خود لے کر اسے دھوکا دیا۔ اس کی تفصیل یہ ہے کہ مرزا محمد حسن نے رخصت ہوتے وقت چند سادہ کاغذ پر مہر لگا کر اسے دیئے تاکہ ضرورت کے وقت اس کا وکیل اسمٰعیل بیگ الہ آباد سے اس کے خط کا انتظار نہ کرے۔ اسمٰعیل بیگ نے دو تین مہینہ کے بعد بغیر مرزا محمد حسن کو اطلاع دیئے اس کی طرف سے بدمعاملگی کے سوال و جواب پیش کئے مگر جب وہ نواب کے وہاں قبول نہیں ہوئے تو انھیں کاغذوں پر اس کی طرف سے استعفیٰ لکھ کر مسٹر مڈلٹن کو دے دیا۔ اس طرح بیچارہ مرزا محمد حسن معزول ہو گیا اور اسمٰعیل بیگ شوری حیدر بیگ کی تجویز سے اس کی جگہ مقرر ہو گیا۔ لیکن اس تجویز سے حیدر بیگ کی غرض اس کی خیر خواہی نہیں تھی کیونکہ اس کو اس کی طرف سے کچھ اسے اندیشہ تھا۔ چنانچہ مسٹر برسٹو سے اس کی سفارش کی کہ کہیں کوئی دوسرا مسٹر مڈلٹن سے سفارش نہ کر دے۔

معلوم ہونا چاہیئے کہ حیدر بیگ خاں نے اظہار دوستی اور ملازمت پر تقرر کے بہانہ بہت سے لوگوں کو تباہ کر دیا کیونکہ کام سپرد کرنے کے بعد وہ ان کی مدد نہیں کرتا تھا و متعلقہ سپاہی اور زمیندار اس کے ساتھ تعاون نہیں کرتے تھے۔ یہاں تک کہ وہ شخص مقروض، قیدا ور بدنام ہو جاتا تھا۔ لیکن الہ آباد کے کام کے انتظام کے لئے حیدر بیگ کی توجہ کی ضرورت نہیں تھا

ہوئی بلکہ صرف اسمٰعیل بیگ کی حماقت اس کی ابتری کا سبب ہوئی کیونکہ وہ زمینداری کے لالچ میں پڑگیا۔ جو بھی زمیندار باقی رقم جمع کرنے آتا اس کی زمین کو کچھ زر نقد کے عوض بیع کرتا تھا اسی بنا پر اس صوبہ کے اکثر زمینداروں نے رقمیں اپنے قبضہ میں کیں اور باقی اس خیال سے لگا دیں کہ اسمٰعیل بیگ ان کی زمینوں کو اپنی جگہ سے اٹھا کر نہیں لے جاسکتا ہے فروخت کا کاغذ اس بیوقوف کو لکھ کر دیدیا اسمٰعیل بیگ دو سال کے بعد بقایا رقم کی علت میں گرفتار ہوگیا اور مدتوں حیدر بیگ کی قید میں رہا۔ یہاں تک کہ مسٹر جانسن نے جس کا ارادہ حیدر بیگ خاں کی اڑان کی وجہ سے اس کے پر کاٹنے کا تھا ۱۱۹۶ ہجری میں اس سے چھٹکارا دلایا۔ اسے دوبارہ الہ آباد بھیجا گیا اور مزید دو سال یہ کام اس کے ذمہ رہا۔ اس کے بعد وہ مسٹر برسٹو کے ساتھ بنگال چلا گیا۔

وقائع ۱۱۹۳ ہجری

مطابق ۸۰-۱۷۷۹ عیسوی

اس سال خواجہ عین الدین کو بریلی کی عملداری پر مقرر کیا گیا۔ اس کی تفصیل یہ ہے کہ جب حیدر بیگ خاں نے قدم جما لیے تو آہستہ آہستہ اس نے گستاخی شروع کی اور کمپنی کی تسلیں ادا کرنے میں لاپرواہی کی۔ مسٹر مڈلٹن نے اس کی روک تھام کے لئے ایرج خاں کے ساتھی شفیع اللہ ثانی کو بلایا اور اس کے گماشتوں کو حیدر بیگ کے حکام پر نگراں مقرر کیا۔ لیکن چونکہ شفیع اللہ مذکور بے احتیاط اور لالچی تھا اس وجہ سے حیدر بیگ نے اس کے گماشتوں کی حماقت اور بددیانتی ظاہر کرکے ان کو ہٹا دیا۔ ان گماشتوں میں ایک خواجہ عین الدین تھا کہ جو کندن لال کی تحصیل وصول کرتا تھا۔ کیونکہ اس نے اس وقت حیدر بیگ کو خوش کر لیا تھا اس لئے بریلی کا عامل مقرر ہوا اور باوجود ویرانی پھیلانے کے پانچ چھ سال تک اس کام میں مشغول رہا۔ ۱۱۹۷ ہجری میں مسٹر برسٹو کے اصرار پر اس کی معزولی ہوئی۔ یہ عین الدین خادم

محسن خاں بنگالی کا ساتھی تھا جو بہت عجیب شخص تھا۔ چنانچہ اُسکا ترک دنیا کا مسلک ظاہر کرنے کے لئے ہزاروں ننگے آزادانہ طور پر اس کے لشکر میں رہتے تھے۔ معین الدین ہر روز ایک دفعہ انھیں لوگوں کی طرح ننگا ہو کر دمڑی لے کر ان کے درمیان میں جاتا اور ہر شخص کو اپنے ہاتھ سے ایک پیسہ دیتا وان لوگوں سے گفتگو کرکے ان سے گالی گلوچ کرتا۔ وہ اتنا منہ پھٹ اور بکواس کرنے والا تھا کہ وہ لوگ آزادی کے باوجود اس سے عاجز تھے۔ اپنی سخاوت ظاہر کرنے کے لئے ہر سال عشرہ محرم کرنے کے بعد اپنے گھر کا تمام سامان لٹوا دیتا تھا۔ جو شخص بھی اس سے کچھ بخشش مانگتا اس کی بات کو رد نہیں کرتا تھا اور اگر کوئی زیادہ بخشش چاہتا تو اس رقم کی تعداد ایک کاغذ کے ٹکڑے پر لکھ کر پچاس اور پرچے کم رقم لکھکر واس طرح ان سے کھیلتا جیسے انگریز جوا بازی کرتے ہیں۔ غرضکہ اس کی فضول خرچیاں معز دلی کے وقت سے ۱۲۰۹ ہجری یعنی اس کے انتقال تک جس قدر رقم لوگوں کے ذہن میں ہے اس کی تعداد پچاس لاکھ تک پہنچتی ہے۔

اس سال کے دوسرے واقعات میں مرزا علی خاں کی وفات ہے جو المہرہ کی خراب آب وہوا کی وجہ سے ہوئی۔

یہ بات قابل ذکر ہے کہ نواب وزیر تخت سلطنت پر بیٹھنے کے وقت سے ہر سال دو سفر ضرور کرتے تھے۔ برسات کے آخر میں کبھی المہرہ جاتے اور کبھی بٹول۔ یہ دونوں مقام آب وہوا کی خرابی اور راستوں کی تنگی کی وجہ سے جہنم کا نمونہ ہیں اس لئے اس سفر میں ہر سال فوج کے سیکڑوں آدمی کام آجاتے ہیں۔ جو تکلیف راستوں کے نشیب وفراز اور نالوں کو عبور کرنے میں لوگوں کو پہنچتی ہے اس کی تفصیل بیان کرنا مشکل ہے۔ ایسے مقامات میں پہلے وزیر کا ساز وسامان پھر فوج کے لوگ اور تندرست آدمی اور سب سے آخر میں کمزور لوگ دریا پار کرتے ہیں۔ ان تینوں طبقوں کے لوگ راستوں پر اسی طرح جم جاتے ہیں کہ دوسروں کے لئے راستہ چلنا دشوار ہو جاتا ہے۔ وزیر کے کارخانہ دار لوگوں کے سروں کو لکڑیوں سے توڑتے ہوئے آگے

بڑھ جاتے ہیں اور اسی طرح سے لشکر کے مضبوط اور طاقتور لوگ بھی۔ چنانچہ اس طرح راستہ [illegible] تین روز اپنی ضروریات پوری نہیں کرپاتے اور آسمان کے نیچے و زمین کے اوپر بھوکے [illegible] ہیں۔ غلہ کا نرخ برسات میں نواب کے لشکر کے اندر لکھنؤ کے بھاؤ سے دگنا ہے [illegible] کھانے کی [illegible] چیزیں نایاب ہیں۔ اگر کبھی اس موسم میں بارش ہو گئی تو فوج میں شورِ قیامت ظاہر ہوتا ہے [illegible] ہزاروں گھوڑے، بیل، اونٹ و انسان ضائع ہو جاتے ہیں۔ اگر کوئی اونٹ کیچڑ میں [illegible] تو اچانک اتنے آدمی اس پر سے نکل جاتے ہیں کہ وہ بوجھ سے کیچڑ میں دھنس کر راستہ کا [illegible] ہے۔ میں ۱۱۲۱ ہجری میں اس سفر میں فیض آباد تک ساتھ رہا۔ لشکر کے حالات دیکھتا رہا۔

مختصر یہ کہ اس سال برسات کے موسم میں ٹکیت رائے کو معزول کرکے نواب نے مسٹر چیری سے یہ وعدہ کیا کہ وہ بذاتِ خود صوبہ کے کاموں کی دیکھ بھال کرے گا۔ اسی درمیان میں بارش بند ہو گئی اور بتول کے سفر کا ارادہ کیا۔ مسٹر چیری نے کہا کہ تمام کام ملتوی ہیں اور بارش کا احتمال ابھی باقی ہے۔ مناسب یہ ہے کہ وہ چند دن اس ارادہ کو ملتوی کر دے۔ وزیر نے جواب دیا کہ عملہ کے لوگوں کو فیض آباد تک لے جا کر راستہ میں پیشی کے کام انجام دوں گا۔ اور اس کے بعد عملہ واپس ہو کر کاموں کو انجام دے گا۔ دوسری منزل میں تیز ہوا اور سخت بارش شروع ہو گئی۔ ہاتھیوں کی کثرت اور توپ خانہ کی وجہ سے تمام راستہ کیچڑ سے بھر گیا اور دو منزلیں بڑی مشکل سے چھ دن میں طے ہوئیں کہ جن کو بیان نہیں کیا جا سکتا۔ دریاباد سے فیض آباد تک اس کیچڑ کی وجہ سے ایسا دکھائی پڑتا تھا کہ گویا مردہ گھوڑے، آدمی، اونٹ و بیل سوئے ہوئے تھے۔ اس کے بعد جب میں فیض آباد پہنچا تو دیکھا کہ اکثر لوگ آصف باغ کے اطراف میں کہ جو وزیر کا مسکن تھا گذر نہیں سکتے ہیں۔ ایک ایسی جگہ کہ جہاں ڈیڑھ ہاتھ گہرا کیچڑ تھا لوگوں نے خیمے لگائے۔ و موٹی موٹی لکڑیوں پر تخت بچھائے۔ بارش و ہوا کی زیادتی کی وجہ سے لوگ خیمہ کی رسیوں کو پکڑے ہوئے کھڑے رہتے۔ چند دن اس حالت میں گذر گئے تھے کہ وزیر نے بے حوصلہ ہو کر لشکر کو گھاگرا پار کرنے کا حکم دے دیا۔ اسی رات دریا کا پل جو رات کو باندھا گیا تھا ٹوٹ

گیا۔ ملاحوں نے اس کو دوبارہ باندھنے سے انکار کر دیا۔ ہرکارے یہ خبر لائے کہ جن مقامات پر پچھلے سال شکار ہوا تھا وہاں اس وقت پچاس گز گہرا پانی ٹھہرا ہے۔ وگھا گھرا کے پار اتنی بھی جگہ نہیں ہے کہ جہاں صرف وزیر کا خیمہ لگایا جا سکے۔ نواب نے ہرکاروں کی اس خبر کو بحث اور فوج کے سرداروں کی سازش قرار دیا۔ عین بارش کی حالت میں حکم دیا کہ لشکر کشتیوں کے ذریعہ دریا پار کرے۔ جھاؤلال نے نگراں لوگوں پر مقرر کر دیئے۔ خود پانچ دن تک اسی بارش کی شدت میں گھاٹ کے کنارے کھڑا رہا اور لشکر کے عبور کو دیکھا۔ جتنی دفعہ بھی ایک کشتی دوسرے کنارہ کا ارادہ کرتی تھی طوفان کی شدت کی وجہ سے (گھا گھرا میں کہ جو اس معاملہ میں دوسرے دریاؤں سے زیادہ تیز و سخت ہے) اس کشتی کے لوگ اپنی جان کو رخصت کرتے ہیں۔ ان پانچ دنوں میں بہت سی کشتیاں اور ہاتھی ڈوب گئے۔ چھٹے دن جب آدھی فوج نے دریا پار کر لیا تو اس نے خود بھی ایسا ہی کیا۔ اتفاقاً وزیر کے خیمہ کی میخیں بارش کی کثرت کی وجہ سے کمزور ہو گئیں۔ خیمہ کو کہاروں نے تمام رات ہاتھ پر رکھ کر حفاظت کی۔ دوسرے دن صبح کو خیمہ کسی اور جگہ لے جانے کا ارادہ کیا لیکن کہیں کئی میل تک کوئی مناسب جگہ نہیں پائی لہٰذا واپس لوٹا اور لوگوں کو فیض آباد لوٹنے کا حکم دیا۔ بیچارے اسی تباہی کے ساتھ کہ جیسے گئے تھے واپس ہوئے۔ چند دن کے بعد بارش جب رک گئی تو دوسری بار کشتیوں سے دریا عبور کر کے سفر کو مکمل کیا۔

دوسرے یہ کہ موسم برسات کے سفر میں تقریباً سو مست ہاتھی ساتھ ہوتے ہیں جو کبھی راستہ میں اور کبھی قیام کرنے کی جگہ مہاوتوں کا حکم نہ مان کر لوگوں کو ہلاک کرتے ہیں۔ اکثر اوقات مہاوت امراء کے خیموں کے اطراف میں ہاتھیوں سے بچانے کے بہانہ ان سے روپیہ لیتے ہیں اور یہ مصیبت دو تین ماہ تک سات دن مسلسل لوگوں پر نازل رہتی ہے۔

نواب کا دوسرا سفر عین موسم گرما کی شدت کے زمانہ میں بہرائچ کی طرف ہوتا ہے۔ یہ سفر اگرچہ ڈیڑھ مہینہ سے زیادہ کا نہیں ہوتا لیکن دھوپ کی شدت سے بہت سے گھوڑے، بیل

اور آدمی ہلاک ہوجاتے ہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ وزیر الیم کے استعمال کی وجہ سے صبح کو دیر میں اٹھتے ہیں۔ اس کے بعد ناشتہ کرتے ہیں اور ایک پہر دن چڑھے سوار ہوتے ہیں اور خس کی پالکی میں (کہ اس پر چاروں طرف سے بہشتی چاروں طرف سے پانی چھڑکتے ہیں) دوپہر تک کافی راستہ طے کرکے منزل پر پہنچ جاتے ہیں۔ اس جگہ اتنے زیادہ خس کے خیمے اور چلتے پھرتے گھاس کے بنگلے نصب ہوتے ہیں کہ سردی کی زیادتی سے جسم کانپنے لگتا ہے لیکن تمام لوگوں کا حال اس وقت وہی لوگ جانتے ہیں کہ جو اس تکلیف میں مبتلا ہیں۔

اس سے بھی زیادہ تکلیف دہ بات یہ ہے کہ جس قدر باغ لشکر یا اس کے اطراف میں ہوتے ہیں وہ نواب وزیر کے اصطبل داس کی ضروریات کے واسطے لے لئے جاتے ہیں اور اگر فاضل بھی ہیں تو ان میں کوئی شخص بھی خیمے نہیں لگاتا ہے۔ یہ اس لئے کہ اگر باغ میں کوئی خیمہ وزیر کو نظر آجاتا ہے تو خیمہ لگانے والے کو وہ ملک بدر کر دیتا ہے۔ یہ حکم وہ اپنے فطری رشک کی وجہ سے دیتا ہے کہ جو مخلوق کے آرام کے معاملہ میں اس کی فطرت میں داخل ہے۔ اور سفر و حضر میں کوئی خصوصیت نہیں برتتا ہے۔ شاید یہی مطلب سامان قرق کرنے کا ہے جن میں سے ایک چیز برف بھی ہے۔ باوجود اس کے کہ برف بنانے والے بار بار درخواست کرتے ہیں کہ اگر (بازار میں) برف بیچنے کا حکم دیا جائے تو اس سے زیادہ بنائیں وخاص طور سے سرکار کے لئے زیادہ جمع کریں اور اس طرح لاگت بھی کم آئے مگر اس کی اجازت نہیں دی۔ باوجود اس کے کہ نواب کی ملکیت میں سیکڑوں باغات لکھنؤ، فیض آباد وان کے اطراف میں ہیں اور اتنے زیادہ پھول دپھل ان سے آتے ہیں کہ اردلی میں رہنے والے ہزاروں کم حیثیت لوگوں کے کھانے کے باوجود وہ بچ جاتے ہیں اور پھینک دیئے جاتے ہیں۔ آم کے موسم میں نواب لکھنؤ اور فیض آباد کے تمام لوگوں کے باغات ضبط کر لیتا ہے۔ اس وجہ سے غریب لوگوں کے مکانات اور باڑیاں وہ پیادے اجاڑ دیتے ہیں جو باغوں کو ضبط کرنے کے لئے مقرر ہیں۔ گلاب اور کیوڑے و دیگر پھولوں و خوشبوؤں کا بیچنا منع ہے۔ باوجود اس کے کہ خود یہاں یہ چیزیں بکثرت ہوتی ہیں

لوگ کیوڑے کا عرق بنگال سے منگاتے ہیں۔ شریف لوگ اپنی اولاد کی شادی بیاہ میں جنگل سے پھول چن کر ہار بنا کر مہمانوں کے گلوں میں ڈالتے ہیں کیونکہ جنگلی پھول بھی شہر میں بیچنا منع ہے اسی طرح دنا میوے بھی کہ جو کم ہوتے ہیں ضبط کر لیتا ہے۔ سوائے آم اور خربوزہ کے اور وہ بھی فصل کے زمانہ میں پندرہ دن تک ممنوع رہتے ہیں۔ سامان، لباس اور آرام کی تمام چیزیں جو ضبط کی جاتی ہیں وہ ترقی بھی ہوتی ہیں۔ مثلاً ایک شخص نے ایک نئی صنعت ایجاد کی اور نفیس قسم کی چھینٹیں لکھنؤ لایا۔ وزیر نے کہا کہ جتنی بھی وہ بنائے سب اس کو دے دے۔ اتفاق سے اسی چھینٹ کا لباس کسی اور شخص کے جسم پر اس کو نظر آیا نواب نے چھینٹ بنانے والے کو باوجود اس کے کہ وہ ایک بھلا آدمی تھا و چار پانچ سو شاگردوں کا استاد تھا اس کو گدھے پر سوار کر کے پورے شہر میں گھمایا۔ گھوڑے اور ہر جنس کے تاجر جب تک کہ اپنا مال نواب وزیر کو نہ دکھائیں اور راجہ مہرا کے ہاتھ اور زبان سے تکلیف نہ اٹھائیں۔ دوسروں کے ہاتھ بیچنے کی قدرت نہیں رکھتے ہیں۔ اس کے ملازمین و مصاحبین کے لئے سفر و حضر میں عورتوں اور اپنی بیویوں سے ملنا منع ہے۔ اس کام کے لئے ہرکارے مقرر ہیں اور اس قدر سختی ہے کہ اگر کوئی بیچارہ پہر رات گئے چھپ کر چلا جاتا ہے تو گرفتار ہو جاتا ہے۔ یہ تمام حالات کہاں تک لکھے جائیں اس لئے کہ اس کی برائیاں لکھنے کا ارادہ نہیں ہے کہ اس سے ایک بڑی موٹی کتاب تیار ہو جائے گی۔ لیکن اس قدر کہ جس کا تعلق عوام اور واقعہ نگاری کی ضروریات سے ہے لکھ دیا واکثر اس قسم کی باتیں چھوڑ دی ہیں۔ اگر اس طرح کی چیزیں لکھنا چھوڑ دی جائیں تو اس کے زمانہ کی تاریخ مکمل نہ ہو گی۔

وقائع ۱۱۹۴ ہجری
مطابق ۱۷۸۰ عیسوی

اس سال مرتضیٰ خاں کہ جو دو ہزار سواروں کا رسالہ دار تھا برخاست ہو کر ذوالفقار الدولہ کے لشکر میں چلا گیا۔ مرتضیٰ خاں بھی حیدر بیگ خاں کے پسندیدہ لوگوں میں سے ہے، اس کو جو کچھ ملا انھیں سے ملا۔ مسٹر مڈلٹن اسی سال معزول ہوئے وان کی جگہ پر مسٹر بھوزی اور تھوڑے ہی دنوں میں مسٹر برلین اس کام پر مقرر ہوئے اس سال کے دوران میں جنرل کوٹ[1] لکھنؤ آئے۔ وزیر نے الٰہ آباد تک جاکر ان کا استقبال کیا و خاطر داری کے تمام لوازمات کئے۔ مسٹر وینسٹارٹ[2] ہوشیار جنگ اور مسٹر جانسن اس سفر میں جنرل کے ساتھ تھے اور

---

[1] سر آئرکوٹ Sir Eyre Coote (۱۷۲۶ - ۸۳) ۱۷۲۶ء میں پیدا ہوئے۔ یہ ریورنڈ ڈاکٹر چیڈے کوٹ کے چوتھے لڑکے تھے۔ ۱۷۴۵ء میں یہ فوج میں داخل ہوئے اور ۱۷۵۴ء میں ہندوستان آئے۔ ۱۸ رجون ۱۷۵۵ء کو یہ کیپٹن بنے۔ بنگال میں انھوں نے سراج الدولہ کے خلاف لڑائیوں میں حصہ لیا اور جنگ پلاسی کے جیتنے میں ان کا بڑا ہاتھ تھا۔ ۱۷۵۸ء میں ان کو لفٹنٹ کرنل کا عہدہ ملا۔ فرانسیسیوں سے لڑائی میں ۱۷۵۹ء میں انھوں نے وانڈی واش پر قبضہ کر لیا۔ اسی طرح ۱۷۶۰ء میں ان کو ترچناپلی پر شکست دے کر ارکاٹ فتح کر لیا۔ فرانسیسیوں سے لڑائی کے خاتمہ پر یہ انگلستان واپس گئے اور وہاں ان کی بڑی عزت ہوئی اور انھیں ۱۷۷۱ء میں کے۔ بی کا خطاب ملا۔ اس کے ایک سال بعد ان کو میجر جنرل کا عہدہ ملا۔ ۱۷۷۷ء میں یہ کمانڈر انچیف بنا کر ہندوستان بھیجے گئے۔ انھوں نے حیدر علی کے خلاف لڑائیوں میں نمایاں حصہ لیا۔ ۳۰ رجون ۱۷۸۲ء کو خرابی صحت کی بنا پر انھوں نے استعفیٰ دے دیا، ۱۷۸۳ء میں ان کا مدراس میں انتقال ہوا۔ (Ibid. P 95)

[2] ہینری وینسٹارٹ Henry Vansittart گورنر بنگال ایچ وینسٹارٹ (باقی صفحہ پر)

اس کے سارے کاموں کے منتظم تھے۔ کرنل ہانی بھی سردار سے جنرل کی خدمت میں حاضر ہوا۔ کیونکہ وہ حیدر بیگ سے رنجیدہ تھا اس لئے اس کی برائیاں ظاہر کیں اور اس کی گوشمالی کا ارادہ کیا لیکن جنرل موصوف نے بہت جلدی کاؤنسل کے حکم سے واپس لوٹنے کا ارادہ کر لیا اور وہ معاملہ رک گیا۔

وقائع ۱۱۹۵ ہجری

مطابق ۸۱-۱۷۸۰ عیسوی

اس سال مسٹر برسٹو کا تقرر لکھنؤ کے لئے ہوا۔ وہ ولایت سے کلکتہ پہنچے اور وہاں سے لکھنؤ آئے و مسٹر برلنگ معزول ہو گئے۔ حیدر بیگ خاں اپنے پچھلے کئے ہوئے برتاؤ کی وجہ سے چند روز ڈانواڈول رہا۔ اس دوران میں مسٹر مڈلٹن اور مسٹر جانسن مسٹر برسٹو کے شریک کار ہو گئے تو حیدر بیگ خاں کو اطمینان ہوا۔ کمپنی سے متعلقہ معاملات مثلاً خط و کتابت وغیرہ مسٹر برسٹو کے ذمہ رہے۔ اور تحصیل وصول و کمپنیوں کی تنخواہ کی تقسیم اور گورنر و وزیر کے درمیان بات چیت کا انتظام ان دو آدمیوں کے ذمہ ہوا۔ چونکہ حیدر بیگ خاں بھی اس کی عزت نہیں کرتا تھا اس لئے مسٹر برسٹو کا اثر ختم ہو گیا۔ وہ حیدر بیگ کی طرف سے اپنی اس توہین کو برداشت نہیں کر سکا و کلکتہ چلا گیا اور اودھ میں مسٹر مڈلٹن و مسٹر جانسن ثابت قدمی سے جمے رہے۔

(حاشیہ بقیہ صفحہ ۲) (۶۴ - ۱۷۶۰ء) کے لڑکے تھے یہ کمپنی کی نوکری میں داخل ہوئے اور کچھ عرصہ تک ندیا میں کلکٹر رہے۔ یہ اپنی وفات کے وقت نمک کی آمدنی Salt revenue کے کلکٹر تھے۔ ان کا انتقال ۶ / اکتوبر ۱۷۸۶ء کو ہوا۔

(C.P.C Vol VIII. p 221. and BENGAL PAST AND PRESENT)

انھیں دنوں گورنر ہیسٹنگز اور چیت سنگھ[1] کا جھگڑا سامنے آیا جس کی وجہ سے نواب وزیر کے ملک میں بہت فتنہ وفساد برپا ہوا وسینکڑوں آدمی زمینداروں کے ہاتھوں قتل ہوئے۔ اس وقت حیدر بیگ خاں ایک اچھی فوج کے ساتھ بنارس میں تھا لیکن اپنی فطری بزدلی کی وجہ سے گورنر کی خدمت میں نہیں پہنچ سکا اور جب دلالوں نے چیت سنگھ کی طرف سے نرم و میٹھی باتیں کیں تو حیدر بیگ نے چیت سنگھ سے بھی رابطہ قائم کیا۔ یہ بات اس کی نظر میں احتیاط اور دنیا داری کے سبب سے تھی یعنی جس کا پلہ بھاری نظر آئے اس کی طرف ہو جائے۔ لیکن وزیر جو حیدر بیگ سے چند منزل پیچھے تھا۔ نے یہ خبر سنی اس وقت احمق سالار جنگ، وزیر کے دوسرے ساتھیوں، اس کی ماں اور دونوں خواجہ سراؤں نے اسے اپنے ملک میں واپس ہونے اور وہاں کے انتظام میں مشغول ہونے کا مشورہ دیا۔ انھوں نے کہا کہ مسٹر مڈلٹن اور تمام انگریز الگ کر دیے گئے ہیں کیا ضروری ہے کہ ہم اپنے آپ کو مصیبت میں ڈالیں۔ لیکن وزیر نے ان بیوقوفوں کی بات پر توجہ نہیں دی۔ اور دل مضبوط کر کے گورنر کے پاس پہنچے واس جھگڑے کو ختم کرنے کے بعد رخصت ہو کر لکھنؤ لوٹے۔

اس سفر میں چونکہ گورنر وزیر کے عمل سے خوش ہو گیا تھا اس لئے حیدر بیگ خاں نے اس سے بہت سے کام نکالے۔ ان میں سے ایک کام یہ ہے کہ ان تمام انگریز افسروں کو

---

[1] چیت سنگھ (۱۷۷۰ء ـ ۱۸۱۰) راجہ بنارس بلونت سنگھ کا لڑکا تھا۔ ۱۷۸۱ء میں ہیسٹنگز کے بہت زیادہ فاضل روپیہ مانگنے پر اس نے اس کے ادا کرنے سے انکار کر دیا۔ ہیسٹنگز کے حکم سے اسے پکڑ لیا گیا لیکن ایک زبردست بغاوت شروع ہو گئی۔ یہ واقعہ ۲۰ راگست کو رونما ہوا جس میں دو کمپنیاں تباہ ہو گئیں اور راجہ اس افراتفری کے عالم میں بھاگ نکلا۔ بعد میں اس کو لطیف پور کے مقام پر شکست ہوئی اور اس کے بعد بیجو گڈھ کے مقام پر اس کا قلعہ برباد کر دیا گیا۔ بیگمات اودھ کی جاگیریں اس کو مدد کرنے کے الزام میں ضبط ہوئیں۔

(BEALE, op. cit, P 76)

برخاست کردیا کہ جو وزیر کی پلٹنوں میں حکمرانی کرتے ہیں بیزان کی پلٹنوں کو بھی ان سب انگریز کو برطرف کردیا گیا جو گورنر یا کسی دوسرے کی سفارش سے لکھنؤ میں رہتے ہیں ۔

دوسرا واقعہ میجر آسبرن کی معزولی کی اجازت ہے کہ جو برگیڈ ارپل کے منتظم تھے اور بندیلکھنڈ کے علاقہ کو قابو میں لانے میں مشغول تھے دبہت سے پرگنے سخت لڑائیوں کے بعد ان کے ہاتھ سے نکال لئے گئے ۔ اس کے علاوہ جملہ واقعات میں سے کرنل گاڈر کی کمپنی کی تنخواہ میں تخفیف کرنا بھی شامل ہے کہ جو دکن گیا ہوا تھا ۹

اسی سال کرنل ہانی کو سردار کے علاقہ سے معزول کردیا گیا اور عبداللہ بیگ ترک کو اس کی جگہ مقرر کیا گیا جو کمپنی کا ملازم تھا. کرنل ہانی اپنی برطرفی کے بعد لکھنؤ آیا اور مسٹر برسٹو کی کی توجہ سے فرخ آباد کا صدر اول مقرر ہوا چند سال کی مدت میں اس نے بہت سی رقم حاصل کرلی ۔ یہ کام اسے اس وجہ سے ملا کہ وہ حیدر بیگ کو خوش کرنے میں مشغول تھا لیکن چند مہینے کے بعد امیر بیگ نامی ایک مغل (جو تنخواہ دار میر آب کہلاتا تھا) کے ہاتھ سے اس کو گالی دینے کی وجہ سے سفر آخرت اختیار کیا اور امیر بیگ واس کا بھائی بھی قتل ہوگئے ۔

کرنل ہانی سے متعلق واقعات یہاں مختصراً درج کئے جاتے ہیں ۔ حیدر بیگ خاں کیونکہ اس ملک میں انگریزوں کا دخل نہیں چاہتا تھا اور سردار میں اس کے شریک کاروں کی جو بے عزتی ہوئی تھی اس کی وجہ سے ہمیشہ کرنل کو بدنام کرنے والے اور ستانے کے لئے ہمیشہ کوشاں رہتا۔ یہاں تک کہ گورنر کو اس کے خلاف بدذل کرکے اس پر بھی ظلم کی زیادتی، روپیہ کا غبن اور علاقہ کو ویران کرنے کے الزام لگائے ۔ گورنر و کاونسل کے سامنے اسے بدنام کیا اور اس کو تباہ کرنے میں لگ گیا۔ وہ چھوٹی باتیں ایک سے دوسرے تک پہنچیں و پھیل گئیں ۔ اب یہ حال ہے کہ تمام انگریز باوجود اس کے کہ کام کے بھید سے واقف ہوں یا نہ ہوں اس کی ملازمت اور بدچلنی کے متعلق گفتگو کرتے ہیں ۔ اس لئے میں بغیر اس خیال کے کہ ان کی رفاقت کا حق پیش نظر ہو سچائی کے ساتھ مختصر حالات قلمبند کررہا ہوں تاکہ ہوشمند انصاف کرنے والوں پر ظاہر ہو

جائے تاکہ اس بدنامی کا داغ جو کرنل پر لگایا جاتا ہے دور ہو جائے۔

جاننا چاہیے کہ کرنل ہانی پر حیدر بیگ کے الزامات تین ہیں:

۱. زیادہ ظلم کرنا۔

۲. سردار کے علاقہ کو ویران کرنا۔

۳. بددیانتی سے روپیہ جمع کرنا۔

کرنل سے متعلق ظلم اور ویرانی کی حقیقت یہاں بیان کی جاتی ہے۔

سردار ایک ایسا علاقہ ہے جہاں سو سال پہلے تک ایک کروڑ روپیہ اس سے حاصل ہوتا تھا اور نواب شجاع الدولہ کے زمانہ میں تقریباً بیس لاکھ وصول ہوتا تھا۔ حیدر بیگ کے عاملوں نے کبھی بارہ لاکھ سے زیادہ نہیں وصول کیا لیکن کرنل نے وصولیابی کے اخراجات نکال کر بائیس لاکھ روپیہ وصول کر کے وزیر کے حضور میں پہنچایا۔ ملک کی آمدنی میں کمی کا سبب یہ ہے کہ اس علاقہ کے حرام خور راجا نفسانی غرضوں میں مبتلا ہو گئے ہیں۔ یہاں کی رعایا نے اپنی معاش کا دار و مدار چوپایوں سے حاصل شدہ آمدنی پر رکھا ہے کھیتی باڑی بند کر دی چنانچہ ایک گاؤں جس کی آمدنی ایک سال پہلے دو ہزار روپیہ سال تھی اب سو روپیہ ہے۔ اس کے باوجود رعایا کے پانچ سو مکانات کہ جن میں سے ہر ایک پانچ چھ سو مویشیوں کا مالک ہے اس گاؤں میں موجود ہیں۔ سردار کی مٹی اتنی زرخیز ہے کہ بنجر زمین کو قابل کاشت بنانے کے پہلے ہی سال ربیع کی فصل کا محصول نکل آتا ہے۔ باوجود اس کے کہ اکثر رعایا حیثیت دار ہے۔ راجاؤں کے فساد کی وجہ سے اور حاکموں کی کمزوری کے باعث اس ملک کی آمدنی دس لاکھ تک پہنچی۔

غرضکہ کرنل نے اس بات کو سمجھ لیا اور بہت قیل و قال و بیشمار جھگڑوں کے بعد ان فسادیوں کو ملک سے باہر نکال کر اپنی رعایا کو جو ہمیشہ ان لوگوں کی کش مکش میں پھنسی ہوئی تھی اپنی حمایت میں لیا و ان کو آباد کیا۔ ان جھگڑوں میں گورکھپور کے چند پرگنوں کی آمدنی کم

ہوگئی لیکن اکثر محالات سے فائدہ حاصل ہوا اور کم آمدنی بھی بہت جلد بڑھ گئی۔ چنانچہ سال کے آخر میں ۳۵ لاکھ وصول ہوا۔ اگلے تین چار سال میں امید تھی کہ یہاں کی آمدنی ۰ ۵ لاکھ تک پہنچ گی کہ کرنل ہانی معزول ہوگیا۔

قصہ مختصر یہ کہ راجاؤں نے اپنی طاقت بھر ہاتھ پاؤں مارے اور اس کے بعد پہاڑوں وجنگلوں سے نکل کر سلطانپور اور اعظم گڑھ کے زمینداروں کی حمایت میں دیائے گھاگھرا کے کنارے سکونت اختیار کرلی۔ کبھی کبھی وہ سرکشی کرتے رہتے تھے۔ اس لئے کرنل نے حیدر بیگ کو لکھا کہ مجھ جیسا عامل اور اس طرح کا تسلط تم کو دوبارہ میسر نہ ہوگا۔ مناسب یہ ہے کہ کوشش کریں کہ نکالے ہوئے راجا اس جگہ سے دور وتباہ ہوجائیں۔ حیدر بیگ نے اس بات پر کان نہیں دھرے۔ اس طرح ان لوگوں کو اپنے راج کی وجہ سے طاقت بڑھانے اور فتنے پیدا کرنے کا موقع ملا۔ انھیں راجاؤں نے بنارس کے جھگڑے میں کہ جو چیت سنگھ اور بیگم کے خواجہ سراؤں میں ہوا تھا گھاگھرا کو پار کرکے کرنل کے ماتحتوں وساتھیوں کو لوٹا مارا اور نکال دیا اور رعایا کو کرنل کی اطاعت کی وجہ سے آباد ہونے میں روک تھام کی۔ ان جھگڑوں میں رعایا کے دو تین ہزار آدمی اور کرنل کے بھی تقریباً اتنے ہی آدمی مارے گئے اس کے بعد وہ علاقہ ویران ہوگیا اور یہ حالت ہو گئی کہ حیدر بیگ کے نائب اپنی کمزوری وفسادیوں کی طاقت کے باعث وصولیابی نہیں کرسکتے تھے۔ انگریزوں کا حیدر بیگ کی باتوں کی وجہ سے احتیاط کرنا بھی انھیں باتوں کی وجہ سے ہے کہ انھوں نے مفسدوں وان کے ساتھیوں کو نکالنے میں کہ جو واقعی نکال دینے کے لائق تھے اور اب بھی ہیں کوتاہی نہیں کی۔ قحط سالی وآمدنی کی کمی کے اسباب کرنل کے سامنے ہی واضح ہو گئے تھے اور ان میں کرنل موصوف کی کوتاہی شامل نہیں تھی۔

کرنل کا روپیہ جمع کرنے میں کوئی شک نہیں لیکن یہ بد دیانتی کے طور سے نہیں بلکہ اس کے واس کے ساتھیوں کی قوت وتجربہ کی وجہ سے ہے کیونکہ ڈاکٹر بلیس، میجر میکڈانلڈ، کپتان

فرینکلن، کپتان گارڈن اور میجر جانسن وغیرہ اس کے رفتار میں رہے ہیں۔ اس لئے ان لوگوں نے کرنل کے نفع کو جمع ادا کرنے کے بعد لوٹا دیا جیسا کہ حیدر بیگ سے طے پایا تھا۔ اس سبب سے گذشتہ برسوں کے مقابلہ میں آمدنی بہت زیادہ تھی۔

گورنر ہیسٹنگز کی کرنل کے ساتھ کشیدگی اس وجہ سے تھی کہ باوجود اس کے کہ کرنل کے پاس بنارس میں پانچ چھ ہزار سوار و پیادے تھے اور وہ بنارس سے بہت قریب تھا ان کی مدد کو نہ پہنچ سکا۔ کرنل کی بھی اس معاملہ میں کوئی غلطی نہیں ہے اس لئے کہ اس نے اس جھگڑے کا حال سنتے ہی خود دو ہزار آدمیوں کے ساتھ فیض آباد کے محاذوں سے دریائے گھاگھرا پار کر کے کپتان گارڈن اور اپنی فوج کے سب سرداروں کو جو کہ ملک میں بکھرے ہوئے تھے حکم دیا کہ ہر ایک اپنی جائے قیام کے محاذ سے دریا عبور کر کے اس سے سلطان پور میں ملجائے جن سرداروں نے بھی دریا پار کیا ہر ایک ان نکالے ہوئے لوگوں کے ہاتھوں سے کہ جو دریا کے کنارے تیار کھڑے تھے تباہ ہوئے اور مار ڈالے گئے۔ چنانچہ کپتان گارڈن نے پانچ چھ سو پیادوں وسواروں کے ساتھ تیز رفتاری سے چل کر توپخانہ کے ساتھ دریا عبور کیا اور تمام دن فسادیوں سے جنگ کرتا ہوا انانڈا کے اطراف میں پہنچا کہ جہاں نواب بیگم کی طرف سے غلام باقر علی خاں عامل مقرر تھا۔

اس کا ارادہ یہ تھا کہ رات اس جگہ قیام کرے و دوسرے روز اسی طرح لڑتا ہوا راستہ طے کرے لیکن انانڈا کے عامل نے اپنے آدمیوں کو کپتان کو ہٹانے کے لئے مقرر کر رکھا تھا انھوں نے اس کو اندر آنے سے روکا اور کشتیوں کو اس گہرے نالے سے کہ جو انانڈا اور کپتان موصوف کے بیچ میں تھا اپنی طرف کھینچ لیا (اس پار کر لیا) اس لئے وہ لوگ بدحواس ہو گئے، اور اپنا ساز و سامان اس میں ڈال دیا و اس نالے میں اتر آئے۔ آدھے سے زیادہ قتل ہو گئے۔ اور ڈوب گئے۔ کرنل نے ان باتوں کو سننے کے باوجود اتنے ہی آدمیوں کے ساتھ کہ جو اس کے ہمراہ تھے فیض آباد سے بنارس جانے کا ارادہ کیا۔ اس وقت اس کے ساتھ کے سواروں میں

کہ جو پیادوں سے زیادہ تھے بیگم کے خواجہ سراؤں کے بہکانے سے اس کی رفاقت قبول نہیں کی۔ کرنل اس گروہ کے سرداروں کے گھر گیا جن میں سے بعض اس کے سلام کے بھی لائق نہ تھے۔ اس نے ان کو بہت کچھ لالچ دیا مگر پھر بھی کوئی فائدہ نہ ہوا۔ اس طرف سے مایوس ہو کر چھاؤنی کی حفاظت کے ارادہ سے اُس طرف کا رُخ کیا کہ جہاں اس کا اسباب و خزانہ تھا اور نکالے ہوئے لوگوں کی ایک بڑی جماعت اس کے اطراف میں لوٹنے کے لئے جمع ہو گئی تھی۔ یہ معلوم ہونا چاہیئے کہ اس وقت کرنل نے میرے ساتھ دو سوار اور پیادے چھوڑے تھے۔

کرنل کے دریا پار کرنے کے بعد چھاؤنی کے تین طرف سے تقریباً پچاس ہزار راجپوت اکٹھا ہو گئے، کہ جن کا ارادہ ہم سے لڑنے کا تھا۔ لیکن چھاؤنی کے چاروں طرف گہرے نالے اور اس پر کے پلوں پر پوری نگرانی تھی اس لئے ان لوگوں کو دریا پار کرنے کے ذرائع اختیار کرنے میں توقف ہوا۔ ہمارے انیس[19] رات اور دن عجیب انقلاب اور ہلاکت کی کش مکش میں گذرے۔ یہاں تک کہ کرنل کے پہنچنے کے سبب سے ہم نے نئی زندگی پائی۔ الغرض باوجود اس کے کہ ہر طرف سے کرنل کی فوج اور اس کے ساتھی چھاؤنی میں پہنچے و تقریباً پانچ ہزار آدمی جمع ہو گئے، لیکن راجپوت بھی اسی طرح اپنے ارادہ پر مضبوطی سے قائم تھے۔ اس دوران میں کانپور سے دو پلٹنیں کرنل کی مدد کے لئے پہنچ گئیں۔ کرنل نے اپنی پہلی اور آنے والی جماعت کے تین حصے کئے اور ایک روز ان سے لڑنے کے واسطے مقرر کیا کہ جو تین گروہوں میں تھے اتفاقاً اس دن وہ لوگ دریا پار کر رہے تھے۔ آدھے ادھر اور آدھے اس طرف تھے کہ فوجیں پہنچ گئیں اور ان کو سزا دینے میں مشغول ہوئیں۔ ان کے بہت سے لوگ ڈوب گئے اور قتل ہوئے دباقی تتر بتر ہو گئے۔ وکرنل راستہ پاکر اپنے پورے سامان کے ساتھ لکھنؤ آیا۔ یہاں اس کی دونوں پلٹنیں برخاست ہو کر منتشر ہو گئیں۔ کرنل چند مہینے کے بعد جدید بیگ سے بدلہ لینے کے ارادہ سے کلکتہ گیا اور کاؤنسل سے سوال وجواب کے بعد ناامید ہوا۔

انھیں دوتین دنوں میں اس نے خودکشی کرلی وعالم آخرت کی راہ لی ۔

اس سال کے دوسرے واقعات میں ایک یہ ہے کہ حیدر بیگ نے راجہ صورت سنگھ کو اس خلفشار کے تدارک کے لئے بھیجا جو عبداللہ بیگ کے بے وقت قتل ہوجانے سے ظاہر ہوا تھا۔ راجہ صورت سنگھ نے اس جگہ کا کام بہت اچھی طرح انجام دیا مگر چودہ، پندرہ مہینے سے زیادہ وہاں نہیں رہا۔ اس جگہ سے ہٹنے کے بعد وہ بریلی میں تعینات ہوا و اس کی عملداری سے کوئی فائدہ نہ ہوا ۔

اس سال اس کوتاہ اندیشی کی وجہ سے کہ جس کا ذکر کرنل ہانی اور بنارس کے جھگڑے کے سلسلے میں ہوچکا ہے کاؤنسل کی طرف سے مسٹر مڈلٹن اور مسٹر جانسن کو سالار جنگ اور نواب بیگم کی جاگیروں کو ضبط کرنے کا حکم پہنچا۔ نواب بیگم کی جاگیر مرزا شفیع خاں ایک ایرانی مغل کے حوالہ کی گئی اور سالار جنگ کی جاگیر الماس علی خاں کو دی گئی کیونکہ وہ ستائیس سال سے اسی کے انتظام میں تھی ۔اس شرط کے ساتھ یہ علاقہ الماس علی خاں کو دیا گیا کہ سالار جنگ کو کچھ نہ دے اور اس کی تمام آمدنی مع اضافہ کے حکومت کے خزانے میں پہنچائے۔ حیدر بیگ نے اس وقت موقع پاکر نواب وزیر کو اشارہ کیا کہ کمپنی کی قسط والی رقم نواب بیگم کے ذمہ کردیں۔ بیگم نے اس کو نہیں قبول کیا۔ وزیر نے فیض آباد پر چڑھائی کی۔ مسٹر مڈلٹن اور مسٹر جانسن اس سفر میں نواب وزیر کے ساتھ تھے۔ خواجہ سراؤں نے تین چار ہزار آدمیوں کے ساتھ کہ جو ان کے پاس تھے قلعہ بندی کا ارادہ کیا لیکن توپوں کے لگنے کے بعد اور جنگ کے انتظامات کو دیکھ کر نواب بیگم نے اپنے دونوں خواجہ سراؤں کو نواب وزیر کے پاس بھیجدیا۔ اور بدولت نے نواب عالیہ کے گھر میں پناہ لی ۔ وہ بیچاری مجبوراً بہو کی حمایت میں آئی اس لئے ان کی جاگیر بھی ضبط کرلی ۔ نواب وزیر (جو بچپن سے دونوں خواجہ سراؤں کی اطاعت سے دل برداشتہ تھا) نے اس وقت لوہے کی زنجیریں ان کے پاؤں میں ڈالیں۔ اور مارپیٹ و توہین کرنے میں کوئی کسر نہیں چھوڑی ۔ تقریباً بچاس لاکھ روپیہ نقد

وافی ہی رقم کا سونا چاندی و کپڑے وغیرہ ماں کے گھر میں لوٹ کھسوٹ سے اس کے ہاتھ لگے اور وہ لکھنؤ واپس لوٹا۔ حیدر بیگ خاں نے جو نواب بیگم اور بہار علی خاں کا پروردہ تھا بالکل ان کی طرفداری میں ایک بات بھی نہ کہی بلکہ ایسا معلوم ہوا کہ وہ ان کی مزید بدنصیبی کا باعث ہوا۔

وقائع ۱۱۹۶ ہجری

مطابق ۸۲ - ۱۷۸۱ عیسوی

اس سال حیدر بیگ سے بڑے جھگڑے رونما ہوئے۔ اس کی مختصر کیفیت یہ ہے کہ جب دوسری بار مسٹر برسٹو لکھنؤ آئے تو حیدر بیگ خاں بہت ڈھیٹ ہو گیا تھا اور گورنر سے ملاقات اور ان کی مہربانیاں دیکھ کر وہ اور بھی زیادہ بددماغ ہو گیا۔ اس نے فرمانبرداری کے لباس میں سرکشی و بغاوت ظاہر کرنا شروع کی۔ چنانچہ کمپنی کے کاموں کے سلسلہ میں پیشی کو ہر ممکن حیلہ سے ٹالتا اور اگر ممکن ہوتا تو دوسرے وقت پر اٹھا رکھتا۔ اگر یہ بھی ممکن نہ ہوتا تو وزیر کی زبان سے معذرت خواہی کرواتا۔ اس کے علاوہ معمولی باتوں میں دھوکہ بازی اور فریب کرتا تھا۔ مسٹر جانسن و مسٹر مڈلٹن کہ جو اسی کے ہاتھوں مقرر ہوئے تھے ہمیشہ رنجیدہ اور کشمکش میں رہتے تھے۔ الماس علی خاں نے اس وقت قابو حاصل کر کے کئی سال مسلسل اس کو امید و بیم میں رکھا اور رقم جمع کرنے میں کمی شروع کی۔ تمام حکام نے الماس علی خاں کی طرح رقم جمع کرنے میں کمی کی اور خرچ بڑھا دیا۔ حیدر بیگ خاں انگریزی گماشتوں کی سرگرمیوں کی وجہ سے اپنی اس بددیانتی سے ڈرا کہ جو اس کے داس کے عاملوں کے درمیان تھی اور ان کو رضامند کرنے کے لئے کوئی کام نہ کر سکا۔ ان چند برسوں میں تہائی رقم کہ جو تقریباً ایک کروڑ ہوتی ہے کہ جس کی تفصیل بعد میں آئے گی، غائب ہو گئی۔ عامل سرکش ہو گئے اور جو برتاؤ چاہتے اس سے وہ رعایا کے ساتھ کرتے ہیں۔ رعایا کے طاقتور لوگ عاجز آ گئے اور سرکشی شروع کر دی جس کی بنا پر کمپنی کے کاموں میں

بدانتظامی وتاخیر ظاہر ہونے لگی۔ دونوں انگریز حاکموں نے یہ طے کیا کہ کمپنی کی آمدنی میں اس کا دست نگر نہیں ہونا چاہیئے۔ اور کسی شخص کو اپنے ساتھ لے کر اس کے ذریعہ کام کرنا چاہیئے تاکہ وہ فرمانبردار اور پابند ہو جائے۔ چنانچہ اسمٰعیل بیگ شوری، شیخ شفیع اللہ، مرزا شفیع خان مراداللہ خاں و دو تین اور آدمی اس غرض کے لئے باری باری سامنے آئے۔ حیدر بیگ خاں نے بعض کو اندر اندر اپنا دوست بنالیا۔ اور بعضوں پر بد دیانتی ثابت کرکے انھیں نکال دیا۔ بعد میں وہ اور زیادہ نڈر ہو گیا اور مسٹر جانسن و مسٹر ڈلٹن کے پیچھے پڑگیا۔ چنانچہ اس وقت ان جاگیروں کی بے انتظامی کے سبب سے کہ جو مسٹر ڈلٹن کے انتظام میں تھیں، اپنی غرض کے لئے بہانے تراشے۔ جن میں سے ایک یہ تھا۔ بلبھندر سنگھ کو کہ ایک جاگیر کا زمیندار تھا۔ وہ ایک مدت سے پانچ سو روپیہ ماہوار نواب بیگم کی طرف سے پاتا (دریائے جمنا کے اس پار رہتا تھا) مکر وفساد کا اشارہ کیا اس کو اس فتنہ نے تقریباً دو سال تک طول کھینچا۔ باوجود اس کے کہ دو تین انگریزی پلٹنیں اور چھ سات ہزار وزیر کی فوج اس کام پر مقرر ہوئی لیکن اس کو نکالنے کا کام انجام نہیں پا یا کیونکہ مرزا شفیع خاں کہ جو مسٹر ڈلٹن کا گماشتہ تھا۔ حیدر بیگ سے ملا ہوا تھا ہندوستانی فوجیں شرفاء کی شرکت کے سبب وحیدر بیگ کی مرضی سے اور انگریزی فوج ہندوستانیوں کے شامل ہونے کی وجہ سے کوئی کام نہ کر پاتی تھیں۔ اسی کے ساتھ الماس علی خاں نے حیدر بیگ کے اشارہ پر سالار جنگ کی جاگیر کے پانچ لاکھ روپیہ ظاہر کئے اور سوال وجواب کے دوران میں اس نے استعفیٰ دے دیا۔ اس کا خیال یہ تھا کہ روپیہ وصول کرنے کا زمانہ تین چار مہینہ رہتا ہے اور جاگیر کے زمیندار ستائیس سال سے اس کے پہچانے ہوئے ہیں اس لئے میری خوشنودی حاصل کرنے کے لئے اس معاملہ میں توجہ نہیں کریں گے اور اس جاگیر کا کام بھی بیگم کی جاگیر کی طرح ابتر ہو جائے گا۔ اس طرح مسٹر ڈلٹن کی کمزوری خود اس پر اور تمام لوگوں پر ظاہر ہو جائے گی اور آئندہ فصلی سال کے شروع سے ہی مجبوراً دونوں جاگیریں پھر میرے سپرد کر دیں گے لیکن مسٹر جانسن ان کے انتظام کے لئے تیار ہوا اور یہ کام کرنے کا پختہ ارادہ کیا۔ اس نے مجھ سے

اس کام میں مدد چاہی لیکن میں نے حیدر بیگ کی دشمنی کی وجہ سے معذرت کی۔ مسٹر جانسن نے بہت اصرار کیا اور طرفداری و امداد کا وعدہ کر کے مجھے اس کام میں لگایا۔ حیدر بیگ اور الماس خاں نے ابتدا میں اپنی قوت کے غرور کی وجہ سے اور ان کی جاگیروں و پرگنوں کی بدانتظامی کے سبب سے جو تمام صوبے میں پھیلی ہوئی تھی میرے انتظام کو بہت حقیر خیال کیا۔ لیکن بہت سے شرفاء کی حالت خراب ہو گئی۔ وہ جتنی زیادہ سرکشی کرتے تھے اتنے ہی تابعدار ہو گئے۔ میرا صوبہ کے انتظام میں نرمی برتنا حیدر بیگ، الماس علی خاں اور ان کے تمام عمال کو پسند آیا کیونکہ ان جاگیروں کی آمدنی اگرچہ بیس لاکھ سے زیادہ نہیں تھی اور ان کے پرگنے تمام صوبے میں بکھرے ہوئے تھے۔ میرے ماتحتوں نے اکثر پرگنوں کے متعلق اطلاعات و معلومات بہم پہنچائیں اور اپنے کاموں کو ختم کر کے حکم کے منتظر رہے۔ اس بنا پر حیدر بیگ کے کارکنوں کی سرکشی کی عادت اور الماس خاں و تمام عمال کا آمدنی میں کمی کرنا ختم ہو گیا اور میرے ماتحتوں نے اس کے برخلاف اس میں اضافہ کرنا شروع کیا۔ چنانچہ میرے اس دعوے کی سچائی گذشتہ برسوں کے کاغذات اور اس سال کے بعد کے کاغذات دیکھنے سے اچھی طرح واضح ہو سکتی ہے کہ جو نواب وزیر کے دفتر میں موجود ہیں۔ غرض اس سلسلے کے تمام کام باقاعدہ ہو گئے اور روز بروز اس میں ترقی ہوتی گئی۔ اس دوران میں زمانہ نے ایک اور کھیل دکھایا جس کا بعد میں تفصیل سے ذکر کیا جائے گا۔ اور فسادیوں کا مقصد پورا ہوا۔

وہ خدمات جو کہ اس زمانہ میں میرے ہاتھوں سے نواب کی حکومت کے لئے عمل میں آئیں تین ہیں۔ پہلی خدمت سالار جنگ کی جاگیر سے دو لاکھ روپیہ زیادہ کی وصولی ہے جس کی آمدنی الماس علی خاں نے پانچ لاکھ روپیہ ظاہر کی تھی اور میں نے سات لاکھ روپیہ خزانہ میں پہنچایا۔ اس کی تفصیل یہ ہے کہ جاگیر کے زمیندار الماس علی خاں کے خیال کے مطابق ابتدا میں بھاگ گئے۔ اس کے بعد جب ان سے اس بات کا وعدہ کیا گیا کہ وہ اب الماس علی خاں کے سپرد نہیں کئے جائیں گے اور یہ عہدنامہ ان کے پاس مسٹر مڈلٹن کی مہر سے پہنچا تو وہ میرے پاس آئے اور

انھوں نے الماس علی خاں کے ظلم وستم کا اظہار کیا۔ معاملہ اس پر طے ہوا کہ جتنا الماس وصول کرتا تھا اس میں تھوڑی سی کمی کر کے پہنچا دیں۔ چنانچہ تیس ہزار روپیہ چھوٹ دینے کے باوجود سات لاکھ اس جاگیر سے وصول ہوئے۔ چونکہ الماس علی خاں اپنے تمام متعلقہ محالات میں آمدنی کی کمی ظاہر کرتا تھا اور اس جاگیر کی تمام آمدنی بھی کم لکھ کردی تھی اس لئے دو دو لاکھ روپیہ زیادہ آمدنی ظاہر ہونا اس کی چوری کو ظاہر کرتا تھا اور ہر سال کی دکھانے کے سلسلہ میں اس کی زبان بندی ہوتی تھی۔ یہی خیال حیدر بیگ کے تمام نائبوں کے متعلق لوگوں میں پھیل گیا۔ اس وقت الماس خاں اور حیدر بیگ نے بہت ہاتھ پاؤں مارے کہ مجھ کو دھوکا دیں لیکن اس سے کوئی فائدہ نہ ہوا۔ منجملہ اور باتوں کے حیدر بیگ خاں نے مجھ کو زائد وصول ہونے والے روپیوں کو اس شرط پر اپنے خرچ میں لانے کی اجازت دے دیں کہ مسٹر جانسن سے یہ بات میں نہ کہوں اور اندر اندر حیدر بیگ کی مدد کر دوں۔ میں نے مسٹر جانسن کے حق کے تقاضہ سے اس بات کو قبول نہیں کیا اور ان دونوں آدمیوں کے فکر کے پر دے کو جو مسلسل چند سال سے پڑا ہوا تھا کھلم کھلا پھاڑ دیا۔

دوسری خدمت جو میں نے کی وہ بلبھدر سنگھ کی شکست اور اس کی بیخ کنی ہے جس کے لئے نواب وزیر نے اس شخص کو ایک لاکھ روپیہ دینا طے کیا تھا کہ جو بلبھدر سنگھ کی سرکشی کو ختم کر دے۔ راجہ مذکور کی لڑائی کو بیان کرنے کی ضرورت نہیں ہے کیونکہ وہ نواب وزیر کا مقابل تھا اور صفدر جنگ کے عہد سے لے کر اس وقت تک صوبہ کا دشمن تھا۔ یہ خدمت تین طریقوں سے پوری ہوئی۔

اول یہ کہ اسکے محکوم لوگوں کو میں نے اس کے خلاف بھڑکا دیا اور اس کی جماعت میں پھوٹ ڈال دی۔ چونکہ مرزا شفیع خاں نے اس کا پانچ سو روپیہ جو اسے ہر ماہ ملتا تھا، حیدر بیگ کے اشارہ سے بند کر دیا تھا جس کی وجہ سے اس نے یہ حرکت کی تھی اس لئے

اس کے بھائیوں اور ہم قوموں نے اس کو حق بجانب دیکھ کر اس کا ساتھ دینے سے پہلوتہی نہیں کی۔ لہذا میں نے بلبھدر سنگھ کے بھائیوں کے سامنے اس کے وکیل کو بلایا اور اس گاؤں کی جائداد کہ جس سے اس نے گذشتہ برسوں میں پانچ سو روپے اپنے لئے وصول کئے تھے دو ہزار روپیہ ماہوار اس کے لئے مقرر کئے۔ لیکن اس نے علاوہ اس جائداد کے جس سے وہ پانچ سو روپیہ ماہوار گذشتہ برسوں سے وصول کرتا تھا بہت زیادہ کی خواہش میں اسے قبول نہیں کیا اور اس کے بھائیوں کو معلوم ہو گیا کہ یہ زیادہ رقم طلب کرنے کی وجہ سے اپنے اعزہ کو قتل کرانا چاہتا ہے۔

دوسرا کام یہ ہوا کہ چونکہ اس علاقے کے اطراف میں جنگل تھا اور جنگل کے درمیان ہر چند میل کے بعد ایک مضبوط قلعہ تھا۔ سابق عامل جب اسے ایک قلعہ سے نکالتا تھا تو وہ دوسرے میں پناہ لیتا تھا اس طرح وہ یکے بعد دیگرے ہر قلعہ میں پناہ لیتا ہوا پھر پہلے والے قلعہ میں پہنچ جاتا تھا کیونکہ عامل قلعوں کو برباد نہیں کرتا تھا۔ یہ بات بلبھدر سنگھ کے لئے فائدہ مند تھی۔ اس لئے کہ اگر وہ ایک جگہ قلعہ بند ہو جاتا تو اس طرف کی تحصیل وصول کہ جو وہاں سے دور تھی اس کے قابو میں نہ رہتی لہذا میں نے تین چار سو بیلدار نوکر رکھے، اور جہاں جہاں سے اس کو نکالا وہاں کا جنگل اور قلعہ ویران کر دیا تاکہ اس کے قلعہ بند ہونے کی جگہ باقی نہ رہے۔

تیسرا کام وہ جنگ ہے کہ جو میں نے اس سے لڑی۔ اس کی تفصیل یہ ہے کہ جس وقت میرے اور بلبھدر سنگھ کے درمیان جھگڑے کا غبار بہت بلند ہو گیا اس وقت مسٹر مڈلٹن کے برخاست ہونے اور مسٹر برسٹو کے ان کی جگہ تقرری کی اطلاع مجھے ملی۔ مسٹر جانسن جیسا کہ معلوم ہے اس سے قبل کلکتہ چلا گیا تھا ان دونوں آدمیوں کی جدائی کا غم اور ان کی وفاداری کے لحاظ اور حیدر بیگ کی قربت کی تکلیف نے مجھے اس بات پر آمادہ کیا کہ میں نے اپنے عہدہ سے استعفیٰ دے دیا۔ بہت کچھ مسٹر مڈلٹن نے لکھا کہ مسٹر

برسٹو میری طرح تمہارے کاموں میں مدد کریں گے لیکن مجھ کو اطمینان نہیں ہوا اور میں نے اپنا حساب کتاب اس سرکار سے ختم کر دیا۔ حیدر بیگ اگرچہ مجھ سے بدلہ لینا چاہتا تھا لیکن عاقبت اندیشی کی بنا پر میرے استعفیٰ دینے پر بغیر مجھ سے محاسبہ کئے مجھے سبکدوش کر دیا۔ اس کے بعد میں بلبھدر سنگھ سے مقابلے کے لئے نکلا و ایک ایسے مقام پر کہ جو تین طرف پانی سے گھرا ہوا اور قلعہ کی طرح تھا منتقل ہوا۔ بلبھدر سنگھ نے جس کو پہلے سے میری کمزوری کی اطلاع تھی اس حرکت سے اور بھی دلیر ہو کر میری خیمہ گاہ میں اپنا ڈیرہ بنایا اور گنواروں کے مجمع نے میرے لشکر کو چاروں طرف سے گھیر لیا۔ جس شخص نے سر اٹھایا دوسری دنیا میں چلا گیا۔ میں نے اپنی عزت اور ناموری کے خیال سے اس کے ساتھ جنگ کرنے کا پختہ ارادہ کر لیا۔ ایک دن جب وہ دریا کے کنارے نہانے کے لئے گیا ہوا تھا چھ سات سو ہمراہیوں کے ساتھ کہ جن کو میرے علیحدہ ہونے کی خبر نہیں تھی شبخون مارا لیکن راستہ کے پُرپیچ ہونے کی وجہ سے تاخیر ہو گئی اور رات آخر ہو گئی۔ بلبھدر سنگھ کہ جو ہوشیار اور مستعد کھڑا تھا میرے آدمیوں کی کمی تعداد دیکھ کر لڑائی پر آمادہ ہوا اور وہ لڑائی دوپہر تک جاری جا ری رکھی دونوں فریقوں نے کئی دفعہ ایک دوسرے کو پیچھے ہٹایا اور زوال کے بعد ہماری فتح کی نشانیاں ظاہر ہوئیں۔ اس ضلع کے چھ سات سو نامی راجپوت اور بلبھدر سنگھ کے قریبی عزیز تھے۔ ان میں قتل ہوئے۔ بلبھدر سنگھ بچے ہوئے لوگوں کے ساتھ دریائے گنگا کے کنارے بھاگا اور دریا پار کرنا شروع کیا۔ اس وقت میرے آدمی پہنچ گئے اور اور انھوں نے بندوقیں داغنا شروع کر دیں۔ ان پانچ کشتیوں میں سے دو جن میں تقریباً پانچ سو آدمی تھے۔ سب ڈوب گئے یا مارے گئے۔

بلبھدر سنگھ ادھ مرا اور تباہ حال ہو کر بھاگ گیا اور جاگیر کے دیہاتوں میں کوئی ایک بھی باقی نہیں رہا کہ جس کے چند مشہور آدمی اس لڑائی میں مارے نہ گئے ہوں۔ اس فتح کے بعد مجھ کو اطمینان ہوا اور نئے عامل کے تقرر تک تقریباً ایک لاکھ روپیہ وصول کیا

اور میں نے سپاہیوں کی تنخواہ وسہ بندی ادا کردی۔ اس کے بعد میں لکھنؤ آیا مسٹر ڈلٹن اس وقت وہاں سے جاچکے تھے اور میں مسٹر برسٹو کی ملاقات کے لئے گیا۔

بلبھدر سنگھ کے خاتمہ کی تفصیل یہ ہے کہ اسی سال ربیع کی فصل میں دریا کے اس طرف آیا۔ اُس کے ساتھیوں نے گذشتہ واقعہ کے رعب کی بنا پر اس کا ساتھ نہیں دیا۔ اس نے نئے بھرتی کئے ہوئے تین سو سوار اور پیادوں کے ساتھ لوٹ کھسوٹ کا ارادہ کیا۔ اسمٰعیل خاں جو کہ میرا نائب تھا، میجر لمسڈن[1] و دو انگریزی پلٹنوں کے افسر کہ جو میرے زمانہ سے اس جگہ تھے، نے جنگل کا محاصرہ کرلیا۔ اب کوئی قلعہ بند ہونے کی جگہ نہیں رہ گئی تھی اس لئے اس تک پہنچ گئے اور بندیلوں نے اس کو زخمی کرکے گرفتار کرلیا۔ دوسرے دن انھیں زخموں کی وجہ سے ملک عدم کی راہ لی۔

اس حقیر کی تیسری اہم خدمت حیدر بیگ خاں، الماس علی اور دیگر تمام عمال کی تنبیہہ کرنا اور نواب وزیر کی خدمت کے لئے ان کو سیدھا کھڑا کرنا ہے کہ جس کا بیان گذر چکا ہے۔

اسی سال حیدر بیگ نے تپر چند خزانچی کو عہدہ سے ہٹا کر قید کردیا اور خزانہ کا کام بجے راج کے سپرد کیا۔ جس نے بنارس میں فتنہ برپا کیا تھا و انگریزوں کی بازپرس سے ڈر کر لکھنؤ چلا آیا تھا۔ بخشی گری کا کام تپر چند کے دفتر کے سررشتہ دار بھولا ناتھ کے سپرد کیا۔ یہ بھولا ناتھ حرام خوری میں اپنی مثال نہیں رکھتا تھا۔ تمام سپاہی اس کے چوٹ

---

[1] میجر جان لمسڈن (Major John Lumsdaine) نواب آصف الدولہ کی فوجوں کی کمان کرتا تھا اور راجہ بلبھدر سنگھ زمیندار تلوئی کی بغاوت کو فرو کرنے میں اس نے نمایاں حصہ لیا تھا۔ ۲۰ راپریل ۱۷۸۳ء کو راجہ مذکور گرفتار ہوا اور زخموں کی وجہ سے دوسرے دن اس کا انتقال ہوگیا۔

(C.P.C.-vol VII, p 22)

کیے ہوئے ہیں۔ اس لئے کہ افسروں سے مل کر یہ بددیانتی اور چوری بہت کرتا ہے۔ جو شخص بھی نائب مقرر ہوا اس نے اس کو رشوت دی۔ اس وقت تک اسی مشغلہ میں زندگی بسر کر رہا تھا۔

وقائع ۱۱۹۷ ہجری

مطابق ۸۳-۱۷۸۲ عیسوی

اس سال مسٹر جانسن اور مسٹر ہارلٹن اپنے عہدوں سے ہٹا دیئے گئے اور میں نے جاگیرات کے علاقہ سے استعفیٰ دے دیا۔ اس کی تفصیل یہ ہے کہ جب حیدر بیگ کی تمام تدبیریں ناکام ہوئیں جیسا کہ سابقہ معاملات میں لکھا جا چکا ہے۔ جاگیر کا انتظام گڑبڑ نہیں ہوا اور وہ مجھ کو فریب بھی نہ دے سکا بلکہ اس سے میری نیکنامی ہوئی۔ مجھے تقویت حاصل ہوئی، دولت مندوں جیسا ساز و سامان حاصل ہوا۔ اور تجربہ کار سپاہیوں و منشیوں کا عملہ فراہم ہوا۔ اس طرح بڑے بڑے معاملات کا طے کرنا آسان ہو گیا۔ اسی لئے حیدر بیگ کو اپنی معزولی کا ڈر ہوا اور اسے یہ فکر ہوگئی کہ مسٹر جانسن پر کوئی الزام لگا کر ہٹا دیا جائے کہ جو بڑے معاملہ فہم اور جرأت سے کام کرنے والے تھے۔

اتفاق سے اسی زمانہ میں میجر پامر[1] گورنر ہسٹنگز کے حکم سے قسط کا بارہ لاکھ روپیہ

---

[1] لفٹنٹ جنرل ولیم پامر (Lt General William Palmer) کا ۱۷۶۶ء میں بنگال آرمی میں تقرر ہوا۔ بعد میں یہ وارن ہسٹنگز کا ملٹری سکریٹری بھی رہا۔ ۱۷۸۲ء میں لکھنؤ میں ریزیڈنٹ مقرر کیا گیا۔ ۱۷۸۵ء میں اسے مہاداجی سیندھیا کے دربار میں ریزیڈنٹ مقرر کیا گیا۔ اور اس کے صلح کے اقدامات کو گورنر جنرل نے بہت پسند کیا۔ مہاداجی کی وفات کے بعد ۱۷۹۴ء میں دولت راؤ سیندھیا کے زمانہ تک یہ وہیں رہا۔ بعد میں یہ پونا میں ریزیڈنٹ مقرر کیا گیا جس پر کہ اس نے ۱۸۰۱ء تک کام کیا۔ بعد میں مونگیر اور برہام پور میں بھی رہا۔ آخر الذکر جگہ پر ۲۰ مئی ۱۸۱۶ء کو اس کا انتقال ہو گیا۔ اس وقت اس کی عمر ۷۶ سال تھی۔ (C.P.C, Vol III, P. 6)

مانگے لکھنؤ آئے۔ حیدر بیگ نے مرزا تفضل حسین خاں کے ذریعہ میجر پامر سے ساز باز کی اور اسے لکھنؤ کا ریزیڈنٹ بنوانے کا وعدہ کر کے اسے اپنا ہم خیال بنا لیا - آخر کار اپنا کام نکال لینے کے بعد اپنی عادت کے مطابق ٹال مٹول کرنے لگا۔ کیونکہ اس وقت مسٹر جانسن اور مسٹر مڈلٹن گورنر ہیسٹنگز سے دل شکستہ تھے۔ باوجود ان کے ٹھیک سے کام انجام دینے کے کچھ تھوڑے سے کام کے لئے میجر پامر کو وہاں میں لایا گیا تھا۔ ایک مدت تک دو قسط کا روپیہ نہ وصول کر سکا اور اس وجہ سے گورنر نے حیدر بیگ سے جواب طلب کیا۔ اس نے جواب دیا کہ یہ تاخیر مسٹر جانسن کے حکم سے ہوئی ہے اور اسی مضمون کا ایک جعلی خط مسٹر جانسن کی مہر لگا کر کاؤنسل کو بھیج دیا۔ مسٹر جانسن اس جھگڑے کی پوچھ گچھ کے سلسلہ میں کلکتہ طلب ہوئے۔ کیونکہ اس زمانہ میں گورنر ہیسٹنگز بیمار اور کمزور ہو گئے تھے اس لئے کاؤنسل کے ممبروں نے اس آسان کام کو مسٹر برسٹو کے تقرر کی خاطر طول دیا اس کے بعد جب مسٹر مڈلٹن نے بد دل ہو کر استعفیٰ دیا تو مسٹر برسٹو کو تیسری دفعہ لکھنؤ بھیج دیا۔ میں مسٹر جانسن کے روانہ ہونے کے وقت لکھنؤ میں تھا۔ اسی واقعہ کے ساتھ بلبھدر سنگھ کی سرکشی کی خبر پہنچی اور مسٹر مڈلٹن نے اس کے مقابلہ کے لئے میرے بھیجنے کا حکم دیا۔

مسٹر جانسن نے رخصت ہوتے وقت اصل حقیقت مجھ سے چھپائی اور جلد واپس آنے کا وعدہ کر کے مجھے اطمینان دلا گئے۔ لیکن میں لکھنؤ سے نکل کر ان مصیبتوں میں پھنس گیا کہ جن کا ذکر ہو چکا ہے لیکن میں بعد میں خیریت کے ساتھ دن گذار کر کامیاب لکھنؤ واپس لوٹا۔ اگرچہ حیدر بیگ اپنے مذکورہ حیلہ بہانہ کے ذریعہ مسٹر جانسن سے مطمئن ہو گیا تھا لیکن اس کی وہ غرض کہ پامر کا تقرر ہو جائے پوری نہیں ہوئی۔ وہ مسٹر برسٹو کو دھوکا دینے میں مشغول تھا اور مسٹر برسٹو کو جو اگرچہ اس کے مکر و فریب سے واقف و اس سے مستعد تھے لیکن اسمٰعیل بیگ شوری نے اپنی غرضوں کو پورا کرنے کی خاطر اس کی قوت ارادی کو اتنا معطل کر دیا کہ حیدر بیگ کو موقع مل گیا۔ اس کی تفصیل یہ ہے کہ اسمٰعیل بیگ شوری نے میرا

علاقہ حاصل کرنے کے واسطے اور میری اس عزت کو جو حیدر بیگ کے مقابلے میں حاصل ہوئی تھی دل میں رکھا۔ اس نے مسٹر برسٹو کے ذہن میں یہ بات بٹھائی کہ حیدر بیگ کے اطمینان کی خاطر مجھ کو کچھ عرصہ کام میں دخل دینے کا اختیار نہ دیا جائے اور حیدر بیگ کی دلجوئی میں کوشش کر کے آہستہ آہستہ اس کو کسی تدبیر سے ہٹائے۔ حال یہ تھا کہ اس وقت مسٹر برسٹو کو کاؤنسل کے ممبروں کی تقویت حاصل تھی۔ اور مجھ سے بہت سے شہرت کے کام انجام پا چکے تھے۔ حیدر بیگ کی شکست کے بہت سے اسباب جمع تھے۔ جس وقت چاہتا وہ آگے سے ہٹ جاتا اور دیر کرنے میں کام کے بگڑ جانے کا احتمال تھا و گورنر ہیسٹنگز کے قابو پانے کا بھی اندیشہ تھا۔ چنانچہ یہی ہوا کیونکہ میرے علاقہ کو تقسیم کرنے کے وقت آدھے سے زیادہ حصہ حیدر بیگ کے دو خاص آدمیوں کے سپرد ہوا اور آدھا میرے دو ماتحتوں اسمٰعیل بیگ خاں اور تقی بیگ خاں کو ملا۔ حالانکہ اسمٰعیل بیگ کو اس میں سے کچھ بھی نہ ملا۔ اگلے سال گورنر ہیسٹنگز نے قوت حاصل کر کے تقسیم کی تبدیلی کے بہانہ مسٹر برسٹو کو معزول کر دیا۔

اس سال کے دوسرے واقعات میں محکمہ عدالت کا قیام ہے۔ اس کا بیان اس طرح ہے کہ باوجود لکھنؤ کی عظمت و لوگوں کی کثرت کے عدالت اور قاضی کے عہدہ کا رواج نہ تھا اسی وجہ سے لین دین بند ہو گیا۔ جو کوئی پیش پاتا دوسرے پر زیادتی کرتا[1]۔ ظلم کرنے والے کی سزا کا طریقہ اس بات پر منحصر تھا کہ مظلوم آدمی اپنی جان کی بازی لگا کر باہر نکلے یا شہر کے طاقت ور

[1] اس کا اندازہ اس بات سے بھی کیا جا سکتا ہے کہ چور اور ڈاکو اودھ کے علاقہ ہی میں وارداتیں نہیں کرتے تھے بلکہ دوسرے علاقوں میں جا کر بھی کرتے تھے۔ مثلاً مسٹر ڈنکن کے ایک خط کے جواب میں کہ ضلع بنارس کے ڈاکو انگریزی علاقہ میں جا کر ڈکیتی کرتے ہیں۔ آصف الدولہ مسٹر اسٹوارٹ کو لکھتے ہیں کہ ان کے تدارک کا اہتمام کر دیا گیا ہے۔

O.R 212 of 1799 of the national Archive of INDIA NEW DELHI

national Achive of India. Ne

دولتمندوں میں سے کوئی اس کی طرفداری کرے۔ چنانچہ ملا محمد مصطفیٰ، مفتی غلام حضرت و بہت سے علماء جو بڑے قابل اور تجربہ کار ہیں دوسرے مقامات کے مقابلہ میں لکھنؤ میں بہت ہیں وہ اب نواب وزیر کے اہلکاروں کے تمسخر اڑانے کے خوف سے گوشہ نشین ہو گئے ہیں۔ اسی کے ساتھ ان کے مقرر کئے ہوئے جو بار اپنی مرضی کے مطابق فتوے اور حکم حاصل کرتے ہیں تمام صوبہ کی صدارت اس سے چند سال قبل راجہ بھوانی سنگھ اردلی سے متعلق تھی کہ اس عہدہ کی عزت صوبہ دار کی عزت کے برابر ہے۔ اور بڑے بڑے علماء کا مرتبہ ہے۔ یہ بات وزیر کے اہل کاروں کی شرارت کے سبب سے ہے جو کہ اپنے علاوہ کسی اور کا حکم شہر میں نہیں چلنے دیتے ہیں اور جب تک خود ان کو دادرسی کی فرصت نہ ہو اس کو ٹال جاتے ہیں۔

دادرسی یک طرف قوت فریاد بہ

آہ چہ سازد کسے ایں ہمہ بیداد بہ

وزیر نوشیروانی عدالت اس طرح کرتا ہے۔ وہ انصاف چاہنے والے کے ہمراہ ایک چوبدار مقرر کرتا ہے کہ وہ شخص کہ جو مظلوم ستانے والے ظالم سے اپنا کام کر سکے۔ ظالموں کی طرفداری کا رواج عام ہے۔ چنانچہ نواب وزیر اس معاملہ میں اس قدر بے عقل ہے کہ ایک آتش باز نے جس کا دربار سے تعلق ہے محلہ سبزہ میں کہ جہاں میرا گھر ہے لوگوں کے نو، برس کے لڑکے چرائے اور بڑے جادوگروں کی تعلیم سے ان کو مار ڈالا۔ لوگ اس کے پیچھے گئے واس کا مکان کھود ڈالا وہاں جگہ چند مرے ہوئے لڑکے ملے کہ جن کی زبانیں و جگر کٹے ہوئے اور جن کے چہرے جلے ہوئے تھے۔ ان لوگوں نے اسی حالت میں نواب وزیر کے دروازہ پر نالہ و فریاد کی لیکن کوئی فائدہ نہ ہوا۔ آتش باز مذکور چند روز تک روپوش رہا اور اب اسی محلہ میں فخریہ سر اٹھا کر پھرتا ہے و مقتول لڑکوں کے والدین کو نواب کے گھوڑوں سے پامال کرا دینے کی دھمکی دیتا ہے۔

دوسرا واقعہ یہ ہے کہ فیروز خاں نامی ایک شخص نے رضا بیگ مغل کو کہ جو نواب مرحوم

کے بھائیوں میں سے ستھا مار ڈالا لیکن اس کی جھاؤ لال سے دوستی ہونے کے سبب سے مقتول کی ماں کی انصاف کی درخواست کے باوجود کوئی نتیجہ نہیں نکلا یہاں تک کہ مقتول کے دو پندرہ سالہ خالہ زاد بھائیوں نے قاتل کو وزیر کے دروازہ پر قتل کیا اور بھاگ گئے۔ وزیر نے بہت تلاش کرایا لیکن وہ ہاتھ نہیں لگے ۔اس طرح کے واقعات بہت ہیں اور کہاں تک لکھے جائیں ۔

دوسرے وہ ظلم ہے جو کہ وزیر کے ان مسلسل سفروں میں رعایا پر ہوتا ہے کیونکہ فوج کے لوگوں کو گھاس پھوس اور لکڑی و مٹی کے برتن وغیرہ حاصل کرنے کی عام اجازت ہے و اس ملک کی رعایا ظلم کی اس قدر عادی ہے کہ اسے کو ظلم نہیں سمجھتی ۔لیکن یہ لوگ مذکورہ چیزوں کے بہانہ اتنی مقدار میں نقد و غلہ اور دیگر چیزیں گذرتے وقت رعایا کے گھروں اور کھلیانوں سے پا جاتے ہیں کہ دو تین مہینہ لکھنؤ کے لئے کام آئیں ۔اس کے علاوہ ان غریبوں کے گھر کہ جو لشکر کے قریب ہونے کی وجہ سے خالی ہوتے ہیں آتش بازی کے طور پر جلاتے ہیں ۔ لکڑی اور تمام مذکورہ چیزوں کا اسراف اس لشکر میں اتنا ہے کہ آدھا سیر آٹا پکانے کے لئے رعایا کے کسی گھر کا کھمبا اکھاڑ کر چھپر گرا دیتے ہیں ۔جس وقت کمیت والے یا کوئی اور عامل ان عمال کے ظلم کی فریاد جھاؤ لال کے پاس لایا تو اس نے جواب دیا کہ اگر ان کاموں کو روکنا منظور ہے تو وزیر کے یہ سفر جن سے اس کا دل بہلتا ہے نہ ہوں گے۔ یہ اس لئے کہ سال میں تین چار مہینے نواب کے ملازم یہ چیزیں پا جاتے ہیں اور اگر ایسا نہ ہو تو وزیر کی خدمت نہ کر سکیں گے ۔مظلوم یہ بات سننے کے بعد خاموشی اختیار کر لیتے تھے۔

مختصر یہ کہ مسٹر برسٹو ان حالات کی اطلاع سے متاثر ہوا اور حیدر بیگ کو برا بھلا کہا ۔ حیدر بیگ نے اس خوف سے کہ مسٹر برسٹو خود اس معاملہ میں دخل نہ دیں ۔مولوی مبین کو جو کہ مشہور علماء میں سے تھے مسٹر برسٹو کے زمانہ میں عدالت کے عہدہ پر مقرر کیا ۔مسٹر برسٹو کی معزولی کے بعد مختار الدولہ کے چچازاد بھائی محمد نصیر خاں کو جو کہ آصف کا دوست بھی تھا

عدالت کے لیے مقرر کیا اور عدالت کے عملہ کا خرچ بھی مقرر کیا۔ ایک دو سال کے بعد بھوک سے تنگ آکر یہ عملہ بکھر گیا اور محمد نصیر خاں بھی جلاوطنی اختیار کر کے جارس چلے گئے۔ ۱۲۰۷ ہجری میں ٹکیت رائے نے مفتی غلام حضرت کو کہ جو اچھی استعداد رکھتے ہیں اس کام کے لئے نامزد کیا۔ مفتی مذکور اگرچہ اس وقت تک عدالت سے متعلق ہیں لیکن عملہ کی کاہلی سے بے رونقی اور شہر کے بااثر لوگوں کی حمایت کے باعث ان کا وجود نہ ہونے کے برابر ہے۔

اسی سال مسٹر کوپر کہ جو مسٹر برسٹو کے نائب تھے مسٹر جانسن کی جگہ مقرر ہوئے انہوں نے اپنی انتہائی غیرت مندی کی وجہ سے پرگنوں کے کاموں میں دخل دینا چھوڑ دیا۔ اور جو کش مکش چل رہی تھی اسے برداشت نہ کر سکے اور کلکتہ چلے گئے۔

وقائع ۱۱۹۸ ہجری

مطابق ۸۴-۱۷۸۳ عیسوی

اس سال خواجہ عین الدین لوٹ مار کی زیادتی کے سبب سے مسٹر برسٹو کی شکایت پر معزول ہوئے اور راجہ صورت سنگھ ان کی جگہ مقرر ہوا۔ وہ سردار کے علاقہ سے دوسری جانب بھاگ گیا۔ اور ایک سال و چند مہینوں بعد وفات پائی۔ راجہ جگن ناتھ کہ جو دیوانی کے کام سے معطل ہو جانے کی وجہ سے اس کی ماتحتی کے فرائض انجام دیتا تھا براہ راست اس جگہ مقرر ہو گیا اور اس نے اس علاقہ کی آبادی کی بنیاد رکھی۔ لیکن بے چاری رعایا باوجود اس پر بھروسہ کرنے کے دوسری دفعہ مصیبت میں گرفتار ہوئی کیونکہ حیدر بیگ خاں نے ۱۲۰۰ ہجری میں راجہ جگن ناتھ کو معزول کر کے وہ علاقہ جھاؤلال کے علاقہ میں شامل کر دیا۔ جھاؤلال کا نائب بھگوان داس اس سرکش بالک رام کا بیٹا تھا جو کہ جھاؤلال کے عزیزوں میں سے تھا۔ اس نے اتنی زیادتیاں کیں کہ خود بھی ایک

ہل کے ہاتھ سے مارا گیا اور ہوسکا ہیں جان دی۔ اب وہ علاقہ مرزا مہدی کو بلا وجہ سے زیادہ ویران ہوا۔ مرزا مہدی کے ظلم کا اثر مالگذاروں کے علاوہ دوسروں پر بھی ہوا مثلاً ہنکانوں اور غلّہ کے ٹیکس کے ذریعہ یہاں تک کہ چرخہ چلانے والی عورتوں سے بھی ان کے سوت کا دسواں حصّہ لے لیتا تھا۔ یہ بات لوگوں میں ضرب المثل ہوگئی اور راجہ جگن ناتھ حساب فہمی کے الزام میں نظر بند ہوگیا۔ حیدر بیگ کی وفات کے بعد راجہ ٹکیت رائے کے اشارہ سے وہ سخت مصیبت میں مبتلا ہوا اور ۱۲۰۷ ہجری میں غم کے عارضہ میں وفات پائی وظالموں کی کش کش سے چھٹکارا پایا۔

اسی سال مسٹر برسٹو معزول ہوئے وان کی جگہ میجر پامر کا تقرر ہوا۔ اس کا مختصر حال یہ ہے کہ مسٹر برسٹو کے پورے عہد میں میجر پامر لکھنؤ میں رہا، وہ حیدر بیگ کے ہوٹ کو گورنر کے یہاں کھول دیتا تھا لہٰذا گورنر نے اس زمانہ میں قابو پاکر کاؤنسل میں ظاہر کیا کہ نواب وزیر کا نظم ونسق دن بدن خراب ہورہا ہے اور حیدر بیگ خاں اس کی لوٹنا ہی کا الزام کمپنی کے ملازمین پر لگاتا تھا مناسب یہ ہے کہ تھوڑی مدت اس کی آزمائش کے لیے اپنا گماشتہ اس جگہ سے ہٹا دیا جائے اور میجر پامر وکیل کی حیثیت سے اس جگہ پر رہے۔

اس بنا پر مسٹر برسٹو معزول ہوئے اور اسمٰعیل بیگ شوری کہ جو نواب مرحوم کی وفات کے زمانہ سے لے کر اس وقت تک ڈاک کے تعلق سے انگریزوں کی خدمت میں تھا اس زمانہ میں ٹھہرنے کی ہمت نہ پاکر مسٹر برسٹو کے ساتھ کلکتہ چلا گیا اسی وجہ سے اس نے دو سال کی مال گذاری کا حساب تباہ کردیا اور علاوہ اس کے اس دوران میں ایک بڑی رقم بھی لے لی جو اس نے الٰہ آباد سے وصول کی تھی۔ اسمٰعیل بیگ نے چند دنوں کے بعد کلکتہ کے اطراف میں وفات پائی۔ اس نے مختلف طریقوں سے بہت سی دولت جمع کی جس کا اندازہ لاکھوں روپیہ کا ہے۔ اس کی اولاد مذکورہ بد اعمالیوں

کی سزا میں گرفتار ہے اور وہ لوگ انتہائی عسرت و پریشانی کی زندگی گذار رہے ہیں۔ اسمٰعیل بیگ نے جس شخص کے پاس بھی رقم امانت رکھائی وہ اسی شخص کے صرف میں آئی۔

اس زمانے میں میں نے بھی یہ پختہ ارادہ کیا کہ مسٹر برسٹو کے ساتھ لکھنؤ سے باہر چلا جاؤں لیکن حیدر بیگ نے بہت کوشش کی اور ایک وعدہ نامہ اپنے قلم سے لکھا و بدسلوکیوں سے توبہ کی۔ اگرچہ اس کے بہت سے وعدے شروع سے مجھے معلوم تھے لیکن اپنی پریشانیوں و انگریزوں کی عدم توجہی کے سبب سے اس بات کا مان لینا زیادہ مناسب سمجھا۔ میں نے چند سال اور وہاں گذارے اور اس طرح اپنی بے قصوری اور اس کی وعدہ خلافی میں نے سب پر ثابت کر دی۔

اس سال کے دوسرے واقعات میں سے ایک گورنر ہیسٹنگز کا کلکتہ سے لکھنؤ آنا ہے۔ نواب وزیر نے بنارس جا کر ان کا استقبال کیا اور اپنے دیوان خانے میں کہ جو باؤلی کی عمارت کے نام سے مشہور ہے اتارا و اس معزز مہمان کی خاطر تواضع اس کے مرتبہ کے مطابق کی۔ گورنر کے لکھنؤ کے دوران قیام میں وہاں ایسا زبردست قحط و مصیبت ظاہر ہوئی کہ سیکڑوں برس سے اس ملک کے لوگوں نے نہیں سنی تھی۔ ہزاروں غریب آدمی روزانہ مر جاتے و لاشوں کے ڈھیرے کہ جو اطراف میں جمع ہو گئے تھے تمام شہر میں بدبو پھیل گئی۔ اس وقت لکھنؤ میں رہنے والے چند انگریزوں نے ان غریبوں کے واسطے بڑی غمخواری اور دلجوئی کی۔ چنانچہ ان میں سے ہر شخص نے ہزار ہزار یا پانچ پانچ سو کی دوا و غذا قحط کے ماروں کو قحط ختم ہونے تک پہنچائی اور اس کے بعد گھر جانے کی اجازت دے دی۔ اس وقت حیدر بیگ گورنر ہیسٹنگز کے حکم سے ایک ہزار روپیہ یومیہ غریبوں کو تقسیم کرتا تھا لیکن چونکہ اس کے تقسیم کرنے والے ملازم اور حیدر بیگ کی پلٹن کے کپتان بڑے ہی بے مروت تھے اس لیے آدھے سے زیادہ وہ خود لے لیتے تھے۔ بہت سے لوگوں کے ہاتھ و پیر اور دوسرے اعضا بلکہ جان تک بانٹنے کے

وقت ان لوگوں کی بدسلیقگی کے سبب سے ضائع ہو جاتی تھی۔ اس کے علاوہ جو بھی کم عمر خوش ادا عورتیں ان لوگوں میں نظر آتی تھیں ان کو فوراً حیدر بیگ کی حرم سرا میں پہنچاتے تھے۔ چنانچہ حیدر بیگ کے اکثر بچے انھیں لونڈیوں کے پیٹ سے ہیں۔ معلوم ہونا چاہیئے کہ اگر کوئی آقا خدا کی مخلوق سے اس قدر بے توجہ ہو جاتا ہے کہ عین تنگ حالی کے وقت خواہشاتِ نفسانی کے خیال میں پڑ جاتا ہے اور ایسے ہی لوگوں کا ہم نشین ہوتا ہے تو اگر اس کے ملازم لالچی ہوں تو یہ کوئی سمجھ سے بعید بات نہیں ہے۔ حیدر بیگ اپنے ابتدائی زمانہ سے غریبوں میں روپیہ کی تقسیم اس طرح کرانے کا عادی تھا کہ ان کے ہاتھ پیر اور سر چھوٹیں۔ یہ اس لئے کہ وہ نجومیوں کی بات پر یقین رکھتا تھا اور وہ لوگ کبھی اس کو ترازو میں بٹھا کر اس کے وزن کے برابر چاندی، تانبہ اور کپڑے لیتے تھے۔ کبھی غریبوں میں پیسے بٹوانے کی ہدایت کرتے تھے۔ خود حیدر بیگ کے دل میں بھی جب کسی قسم کا خوف ہوتا تو وہ بھی یہی کام کرتا تھا۔ اس کے اس بُرے کام کے نتیجہ میں جو یادگار لکھنؤ میں باقی رہ گئی ہے وہ یہ ہے کہ اکثر مزدوروں و فقیروں نے اس کی جھوٹی بخششیں دیکھ کر مانگنے کا طریقہ اختیار کیا۔ اور اب سیکڑوں آدمی اس شہر کے گلی کوچوں میں شریف آدمیوں کے ہاتھ پاؤں کھینچتے ہیں۔ ان کی موجودگی کی وجہ سے لوگوں کا راستہ چلنا دشوار ہو جاتا ہے۔ اگر کسی نے کوئی چیز دی تو اس کو سواری سے گرا دیتے ہیں۔ اور طاقتور کمزوروں کو گالیوں و لاتوں سے دبا کر ان کا حصہ زبردستی لے لیتے ہیں۔ اگر ان لوگوں کو کچھ نہ دیا جائے تو جو بھی ان کی زبان پر آتا ہے اس کی برائی میں صرف کرتے ہیں۔ جو شخص بھی لکھنؤ گیا وہ ان لچوں کے ہاتھ اور زبان کا شکار ہوا۔ سب لوگ جانتے ہیں کہ کوئی بھی کام اس طرح کی بخشش سے زیادہ بدتر نہ ہوگا۔

اسی زمانہ میں شہزادہ جوان بخت[1] شاہجہاں آباد سے بھاگ کر اودھ آئے۔ نواب وزیر

---

[1] شہزادہ جہاں بخت مرزا جہاندار شاہ (۱۷۴۹ء — ۱۷۸۸ء) شہنشاہ شاہ عالم کا سب سے بڑا بیٹا

اور وزیر نے ان کا استقبال کیا۔ و ادب اور تعظیم بجا لاتے۔ ایک لاکھ روپیہ سالانہ ان کے لئے مقرر ہوا۔ چونکہ ان کا مزاج وزیر کے مزاج سے میل کھاتا تھا اس لئے ان دونوں میں میل جول نہ بڑھ سکا۔ لیکن کچھ باتیں طفلانہ قسم کی شہزادہ سے سرزد ہوئیں۔ ان میں سے ایک یہ تھی کہ شہزادہ نے دو بازاری عورتوں سے شادی کر لی۔ اس کے بعد شہزادہ نے بنارس میں سکونت اختیار کر لی۔ جب اسمٰعیل بیگ اور غلام قادر[1] کا جھگڑا اور شہزادہ کی کنارہ کشی جیسی باتیں اس ضلع میں ہوئیں اس وقت شہزادہ لارڈ کارنوالس کے ہمراہ لکھنؤ کے اطراف تک آیا اور وہاں سے بغیر شہر میں داخل ہوئے دہلی روانہ ہو گیا۔ بریلی پہنچنے تک ایک بڑی جمعیت اس کے ساتھ ہو گئی۔ اگر اس کے پاس رسد ہوتی تو وہ سلطنت حاصل کر لیتا لیکن

---

[1] غلام قادر ضابطہ خاں کا لڑکا روہیلہ سردار نجیب الدولہ کا پوتا تھا۔ ۱۷۸۷ء میں اس نے شاہ عالم کو مجبور کیا کہ اسے قائم مقام بادشاہ (Regent) اور بخشی کے عہدہ پر مقرر کرے۔ لیکن تھوڑے ہی عرصہ کے بعد اس نے شہنشاہ سے بغاوت کر دی۔ غلام قادر نے شاہی محل پر قبضہ کر کے شہزادوں اور شہزادیوں پر بہت ظلم ڈھائے۔ شہنشاہ کو تخت سے اتار کر اسے اندھا کرا دیا۔ اور محمد شاہ کے پوتے بیدار بخت کو جولائی ۱۷۸۸ء میں تخت نشین کرایا۔ تھوڑے ہی عرصہ بعد مہاداجی سیندھیا نے اسے شکست دیکر قتل کرا دیا۔

(C.P.C, Vol VII, P 255)

حاشیہ بقیہ صفحہ ۹۶) بنا لڑکا تھا۔ ۱۷۸۴ء عیسوی میں شاہی دربار میں ابتری کے باعث یہ دہلی سے لکھنؤ پہنچا اور انگریزوں سے اپنے باپ کی مدد کرنے کی ناکام کوشش کی۔ وارن ہیسٹنگز کی سفارش پر نواب نے چار لاکھ روپیہ سالانہ اس کا وظیفہ مقرر کیا۔ لکھنؤ سے یہ بنارس چلا گیا اور یہ ایک قلیل عرصہ کے علاوہ اپنے آخری زمانہ تک وہیں رہا۔ یکم جون ۱۷۸۸ عیسوی میں ان کا انتقال ہوا۔

(سی پی سی جلد ہفتم صفحہ ۳، ایس ایم عبدالعلی : پرنس جوان بخت)

بنارس کے دورانِ قیام میں اس میں بری عادتیں پڑ گئی تھیں جن سے اس میں سستی و کاہلی پیدا ہوئی، اپنے باپ سے ملاقات کے بعد وہ اپنے خاندان کو لے کر اکبر آباد آیا۔ اور وہاں سے لکھنؤ گیا۔ وزیر نے اس مرتبہ اس کا استقبال و تعظیم نہیں کی۔ اس لئے وہ بنارس گیا اور اسی زمانہ میں ہیضہ کے مرض میں سفر آخرت کیا۔ یہ واقعہ ۱۲۰۳ ہجری میں ہوا۔ اس کا ماہانہ وظیفہ جو شاید اس حرکت کی وجہ سے جاری نہ رہتا وہ لارڈ کارنوالس کی انتہائی طرفداری کی وجہ سے ان کی بیویوں و لڑکیوں میں تقسیم ہو گیا۔

اس زمانہ کے دوسرے واقعات میں سے ایک مرزا حسن کا اخراج ہے جو ایک مغل جوان تھا اور اس دربار کے پرانے لوگوں میں سے تھا۔ وہ تجربہ کار اور ضابطہ کا پابند تھا اور اس وقت وزیر کے محلوں کا مختار بلکہ ان کا نصف ناطقہ تھا۔ اس کی تفصیل یہ ہے کہ مرزا حسن مذکور نے وزیر کے ہر محل کے خرچ میں کمی کی اور خدمت گاروں کے لئے تنخواہ مقرر کی و کام میں کاہلی و رعایا پر ان ملازموں کے ظلم کو روکا۔ اس نے داروغاؤں کے اوپر امانت دار ہرکارے مقرر کئے اور محلوں سے بے ایمانی و چوری ختم کی۔ اس کام میں حکم کی پابندی اس حد تک پہنچی کہ اگر اس کی تفصیل بیان کی جائے تو مبالغہ سمجھا جائے گا۔ چنانچہ اگر کوئی گھاس کا ایک تنکا نواب وزیر کے باغوں سے ایک اشرفی میں بھی چاہتا تو اس کو میسر نہ ہوتا۔ اسی وجہ سے سب داروغہ کہ جن کے سرغنہ مولوی فضل عظیم داروغہ باورچی خانہ اس کو ہٹانے کی فکر میں لگے اور انھوں نے مرزا حسن رضا خاں سے اس کی شکایت کی۔ کیونکہ حیدر بیگ بھی وزیر کے مصارف کے تقاضوں کے سبب سے ناراض تھا اس لئے دونوں نے گورنر سے اس کی شکایت کی۔ گورنر کے وزیر کو صرف اسی قدر پیغام دیا کہ اس قسم کے لوگ حاضر باشی کے لائق نہیں ہیں۔ حیدر بیگ نے اس کو بہت سی شکایتوں کے ساتھ وزیر پہنچایا۔ وزیر نے بلاوجود اس کے کہ اس کو اپنی جان سے زیادہ عزیز رکھتا تھا اپنی طبیعت کے کمینہ پن کی وجہ سے اسے فوراً

لکھنؤ سے نکالدینے کا حکم دلایا۔ بیچارہ نے دم لینے کی بھی فرصت نہیں پائی اور کالپی چلا د چندسال بعد وہیں وفات پائی۔ گورنر ہیسٹنگز کہ جو حیدر بیگ کے عیبوں سے پوری طرح واقف تھا اور جس کا ارادہ اس سفر میں اس کو معزول کرتے وہاں جگہ کا انتظام ٹھیک کرنے کا تھا ایک ضروری معاملہ کے انجام دینے کے سلسلہ میں اسے ولایت کا سفر پیش آگیا اور وہ اپنے ارادوں کو پورا نہیں کرسکا۔ اس بنا پر پھر بذمر نے اس کو مستقل کرنے کی کوشش کی اور کلکتہ گیا و آیندہ سال ولایت کے لئے روانہ ہو گیا۔

وقائع ۱۱۹۹ ہجری

مطابق ۸۵-۱۷۸۴ عیسوی

اس سال گورنر ہیسٹنگز انگلستان کے لئے روانہ ہوگیا اور گورنر میکفرسن کا عارضی تقرر ہوا۔ حیدر بیگ نے اب ملک و فوج کے انتظام میں اور بھی زیادہ دخل دینا شروع کیا۔ اس نے ان لوگوں کو ذمہ دار بنایا جو سابق جھگڑوں میں اس کے مددگار تھے۔ اب وہ چند مشہور لوگوں کی فکر میں پڑا کہ جو معززین اور فوج کے سرداروں میں تھے جنھوں نے اس وقت تک ہر صورت سے خدمت انجام دی تھی اور ان کے خلاف سازش کی۔ ان میں سے جمشید بیگ اور خواجہ نعمت اللہ کو دو ہزار ترک سواروں کے ساتھ عطا بیگ کی امداد کے بہانہ کہ جو ان کا عزیز و اعظم گڑھ کا فوجدار تھا لکھنؤ سے بھیجدیا خان موصوف (جو مع اپنی فوج کے ان کا انتظار کر رہے تھے) سے ترک سواروں کی برطرفی کا حکم دیا کہ اگر کوئی لکھنؤ لوٹے تو اس کو تباہ و برباد کر دیا جائے۔ اس بنا پر وہ سوار منتشر ہو گئے اور اکثر نے اکبرآباد کا راستہ لیا۔

دوسرا واقعہ اس پلٹن کا توڑا جانا ہے کہ جس نے گوالیار فتح کیا تھا۔ وزیر نے اس پلٹن کو کہ جو کمپنی کی ملازم تھی و گورنر کے ساتھ لکھنؤ آئی تھی اس کی چستی اور پریڈ کو پسند کرکے باصرار

گورنر سے لے کر اپنے یہاں اس کا تقرر کر لیا تھا۔

وقائع ۱۲۰۰ ہجری

مطابق ۸۶-۱۷۸۵ عیسوی

اس سال میجر پامر کی معزولی اور کرنل ہارپر[1] کا تقرر عمل میں آیا۔ اس کی تفصیل یہ ہے کہ کرنل موصوف ولایت سے اس کام کا حکم لائے۔ گورنر میکفرسن نے اس کے لئے نواب وزیر کی رضامندی کی شرط لگا دی۔ کرنل ہارپر نے لکھنؤ آکر حیدر بیگ سے وعدہ وعید کر کے نواب کا رضانامہ منظوری حاصل کر لیا اور اپنے مقصد میں کامیابی حاصل کی۔

جاننا چاہیے کہ میجر پامر اور تفضل حسین خاں کا سابقہ معاملات کے متعلق یہ گمان تھا کہ اگرچہ لکھنؤ کی ریزیڈنسی مسٹر برسٹو کے معزول ہونے سے کمزور ہو گئی۔ لیکن چونکہ میجر پامر حیدر بیگ کا مربی و گورنر ہیسٹنگز کا دوست ہے اس لئے وہ سابق ریزیڈنٹوں سے زیادہ احکامات جاری کرائے گا و حیدر بیگ اس کی فرماں برداری میں مشغول ہو جائے گا۔ اور گورنر ہیسٹنگز کی دوستی اتنی ہی جلد ختم ہو جائے گی۔ حیدر بیگ نے اپنے مطلب کے مطابق کام کیا اور اس کی تعظیم اس کے عہدہ سے زیادہ کبھی نہیں کی۔ میجر پامر اس بات کے غصہ کو دل میں دبائے ہوئے اسی پر قناعت کئے رہا۔ اس نے بھی اس سبب سے کہ حیدر بیگ خاں اس کے دل کے حال سے واقف ہو گیا تھا وہاں قیام نہیں کیا۔ میجر پامر کی تدبیروں کا پودا اس وجہ سے پھل نہیں لایا کہ اس کے کام مفاد عامہ کے خلاف تھے۔

---

[1] کرنل گبرئیل ہارپر (Col. Gabriel Harper) نے ۱۷۶۳ء میں بنگال آرمی میں ملازمت اختیار کی۔ ۱۷۶۴ء میں جنگ بکسر میں اس کی بڑی شہرت ہوئی۔ بعد میں بھی کا اپنی بٹالین کے ساتھ نواب وزیر اودھ کے وہاں تقرر ہوا۔ بعد میں ہسٹنگز نے اسے واپس بلا لیا۔ کچھ عرصہ بعد ۱۷۸۶ء میں یہ کرنل کے عہدہ تک پہنچ گیا۔ ۱۷۸۵ء میں اسے لکھنؤ میں ریزیڈنٹ مقرر کیا گیا۔ لیکن اس کے دوسرے ہی سال اس نے اپنے عہدہ سے استعفیٰ دیدیا۔ ۱۸۰۲ء میں اس کا انتقال ہوا۔
(C.P.C vol VII P 40)

وقائع ۱۲۰۱ ہجری

مطابق ۸۷-۱۷۸۶ عیسوی

اسی سال سالار جنگ نے کہ جن کا ذکر پہلے ہو چکا ہے، وفات پائی۔ یہ اللہ کے ذکر اور آخر وقت میں قرآن سننے سے محروم رہا کہ ہر دیندار کا معمول ہے کیونکہ وہ اپنی زندگی میں خدا کے کلام سے پرہیز کرتا تھا۔ سورۂ یٰسین کہ جو خاص اسی وقت کے لئے ہے، کا اس کے گھر میں کوئی نام بھی نہیں لیتا تھا۔ اور اگر کسی ضرورت سے اس کے نام کا ذکر آ جائے تو اسے نادل کے نام سے ذکر کرتے ہیں یعنی بے نام کی چیز۔ اس واقعہ سے اس کی آزادی، دینداری اور بہادری تینوں چیزیں ایک ساتھ ظاہر ہو جاتی ہیں۔

اسی سال حیدر بیگ نے لارڈ کارنوالس کی بڑائی اور بزرگی کا حال سن کر (کہ جو گورنر ہو کر کلکتہ پہنچا تھا) بنگال جانے کا ارادہ کیا۔ لارڈ موصوف کہ جو مکر و فریب سے ناواقف اور محض بے غرض تھے وہ اس کا ظاہری حال دیکھ کر فریفتہ ہو گئے اور اس کی بہت تعظیم کی۔ اس بنا پر حیدر بیگ نے موقعہ پا کر بہت سے کام کرائے کہ جس میں کمپنی کی مقرر کی ہوئی سالانہ رقم میں کمی اور پچھلی قسطوں کی ادائیگی معاف کرانا شامل ہے۔ ان انگریز افسروں کی برطرفی کہ جو نواب وزیر کے ملازم تھے و فوجی چھاؤنی کے مصارف پورا کرنے والے ٹیکس ختم کرانا ان کے علاوہ ہیں جو وہ لارڈ موصوف سے حاصل کر کے کامیاب و سرفراز لکھنؤ پہنچا۔ اس کے آنے جانے میں نو مہینے صرف ہوئے۔

لکھنؤ پہنچتے ہی (حیدر بیگ نے) بریلی کا انتظام جھاؤ لال سے لے کر مرزا مہدی کے سپرد کر دیا کہ جن کا ذکر پہلے ہو چکا ہے۔ وہ ظاہر میں بھی کام کی لیاقت نہیں رکھتا تھا۔ اور اس کا ٹکیت رائے کے ساتھیوں واس کے بڑھائے ہوئے آدمیوں میں شمار ہوتا تھا جھاؤ لال کا گھر اور تمام سامان بریلی کی حساب فہمی کے بدلہ میں ضبط ہو گیا۔ اور وہ خود ناکامی

کے قید خانہ میں پڑا ڈیڑھ سال بعد حیدر بیگ کی رضامندی سے رہا ہوا۔ حیدر بیگ کی واپسی کے دو مہینہ بعد کرنل ہارپر معزول ہو گئے اور میجر ایف ان کی جگہ مقرر ہوئے۔ اسی کے ساتھ موصوف (لارڈ کارنوالس) کے لکھنؤ کا ارادہ کرنے کی خبر معلوم ہوئی۔ نواب وزیر نے الہ آباد و حیدر بیگ نے بنارس تک جاکر ان کا استقبال کیا وان کے ساتھ لکھنؤ واپس لوٹے اور سابق دستور کے مطابق تواضع کی۔ بہت سا نقد و جنس و تحائف پیش کئے لیکن لارڈ موصوف نے ایک گھاس کے تنکے کے برابر بھی ان میں سے کچھ نہ لیا اور نواب وزیر کی تعظیم سابق گورنروں سے زیادہ کی۔ جاننا چاہیئے کہ لارڈ موصوف اس شعر کے مضمون کی طرح ہیں۔

راست شنو را چہ خبر از دروغ
شمع کج و راست دہد یک فروغ

کیونکہ وہ خود کردار کے سچے تھے۔ اس لئے ان کا نواب وزیر و حیدر بیگ کو بھی ایسا ہی جانا اور اپنی بزرگ منشی و وزیر کی عظمت کی قدر شناسی دوسری ملکوں کے وزیروں و بادشاہوں کی طرح بلند مرتبہ خیال کیا۔ اس نے خیال کیا کہ پہلے کے گورنر بلند خاندان کے نہیں تھے اور انھوں نے وزیر کے خاندان کی بزرگی کا لحاظ نہیں کیا و اس کے معاملات میں دخل دیا۔ اگر میں اس کی تعظیم کے طریقوں کو پیش نظر رکھوں تو وہ قدردانی کے اظہار کا سبب ہوگا اور کمپنی کا کام بہتر ہو جائے گا۔ کیونکہ بلند خیال لوگوں سے اس طرح کے کام زیادہ ہوتے ہیں۔ لہذا کام کی بنیاد اس طریقہ پر ڈالی کہ جس کا ذکر ہو چکا ہے۔ وزیر نے اس آزادی کا فریب کھایا اور سمجھ لیا کہ میں بذات خود کوئی ہستی ہوں و اس مدت میں گورنروں کی فرماں برداری کی تکلیف میں نے اٹھائی ہے۔ اس کے بعد کہ جب حیدر بیگ کے مکر کا درجہ و وزیر کے مزاج کی خفت گورنر کو معلوم ہو گئی تو وہ اپنے سابقہ کام سے شرمندہ و اس کی تلافی کے درپے ہوا۔ لیکن چند وجوہات سے وہ اس ارادہ کو عمل میں نہیں لا سکا۔ اس بات نے وزیر کو بہت جرأت مند کر دیا۔ اس کا پہلا سبب لارڈ موصوف کی مستقل مزاجی ہے۔ اس نے اپنے کئے

ہوئے کام کے خلاف عمل کرنے کی جرأت اپنے اندر نہیں پائی۔ دوسرے دماغی قوت کی کمی اور ملک کے عام انتظام کی خرابی تیسرے سٹرالیف کی حیدر بیگ دوزیر کے ساتھ سازش ہے کہ جس نے چند برسوں میں ان میں ہر عیب دیکھنے کے باوجود لالچ کی زیادتی کی وجہ انھیں چھپایا۔ چوتھے حیدر بیگ کا لارڈ مذکور کے مصاحبوں کی دلجوئی کرنا ہے اس نے کاؤنسل کے ممبروں ود کلکتہ کے اکثر مشہور لوگوں کی اور تفضیل حسین خاں کے تجربات کے ذریعہ لارڈ موصوف کے خدمتگاروں کی دلجوئی کی تاکہ کوئی اس کی بیکاری کا ذکر نہ کرے اگر کوئی شخص اس کے عیب کھولنے کا ارادہ کرتا تو اس کے دوستوں کے ہجوم کی وجہ سے اس میں کامیاب نہ ہوتا۔ ان حالات کی موجودگی میں لارڈ کارنوالس اس سادگی وسپہ گری کے باوجود اس کے عیبوں اور بہانوں کی گہرائیوں سے کس طرح واقف ہو سکتا ہے۔

وقائع ۱۲۰۲ ہجری

مطابق ۸۸-۱۷۸۷ عیسوی

اس سال حیدر بیگ نے اپنے چاروں بھتیجوں مخدوم بخش، سرفراز بیگ وغیرہ کی شادیاں اپنی لڑکیوں سے کیں۔ ان میں اس نے ہر طرح سواری کی سجاوٹ و دامادوں کی آرائش میں بہت کوشش کی۔ ان دامادوں میں سے ہر ایک کو ان کی بے لیاقتی اور نافرمانی کے باوجود فوج اور ملک کا انتظام سپرد کیا اور اپنی سمجھ کے مطابق سلطنت کی بنیاد کو مضبوط کیا۔ حال یہ ہے کہ اس کے انتقال کے بعد ان بزدلوں نے مطلقاً غیرت نہیں اختیار کی اور تھوڑی کی بے چینی کی وجہ سے بغیر کسی ضرورت کے خود کو ذلیل کیا۔ ٹکیٹ رائے کے ملازموں کی عزت کرنے لگے

اسی زمانہ میں حیدر بیگ کے کمینہ پن کی زیادتی و عہد خلافی میرے ساتھ اس حد تک پہنچی کہ لکھنؤ میں رہنا دشوار ہوا اور اسی وجہ سے میں نے پہلی مرتبہ کلکتہ کا سفر کیا۔ حیدر بیگ المخائن خائفاً کے مطابق بہت پریشان ہوا۔ اس نے تفضل حسین خاں کو ظاہری طور سے نواب وزیر کی وکالت اور باطنی طور پر میرے ایلچی ہونے سے روکنے کے لئے اس طرف روانہ

کردیا۔ چنانچہ بسبرن کے فرق سے ہم کلکتہ پہنچے۔ خان موصوف کا مختصر حال یہ ہے کہ وہ پامر کے ساتھ کلکتہ آکر خانہ نشین ہو گئے۔ حیدر بیگ اس جگہ گیا۔ بعد میں اس کی تحریک پر کمپنی کی ملازمت سے استعفٰی دیدیا اور اس کے ہمراہ لکھنؤ گیا۔ لیکن حیدر بیگ نے اپنی عادت کے مطابق خان موصوف سے بدگمانی کے طریقہ پر اور لاپروائی کا سلوک کیا۔ یہاں تک کہ میرے کاموں (کو روکنے) کے لئے اسے تفضل حسین خاں کا تقرر کرنا اور ان کی مانگوں کو پورا کرنا پڑا۔

وقائع ۱۲۰۳ ہجری مطابق ۸۹-۱۷۸۸ عیسوی

اس سال شہزادہ سلیمان شکوہ[1] جو اس وقت لکھنؤ میں ہے وارد ہوا۔ پانچ ہزار روپیہ ماہوار اس کے لئے مقرر ہوئے۔ اس کے ساتھیوں میں ایک شخص خالہ زاد خاں نغلہ تو کا اس کے خانگی انتظام کا ذمہ دار تھا۔

حیدر بیگ خاں باوجود اس کے کہ کئی سال گذر گئے دیوانی کے کام کرنے والوں کو معطل کر کے راجہ جگن ناتھ کو نظر بند کئے ہوئے تھا اور جسے دیوانی کا نام بھی پسند نہ تھا، اس سال ہردے نرائن (جو جھاؤ نرائن کا بھائی تھا جس کا ذکر اس کتاب کے شروع میں ہو چکا ہے) کو دیوانی کی خلعت پہنائی۔ یہ ہردے نرائن بہت سیدھا سادہ غیر معروف آدمی ہے اور دیکھنے میں شائد بھی نہیں ہوتا کہ کیسی اچھے خاندان سے ہے یا اچھی حالت دیکھے ہوئے ہے۔ اس کے باوجود اگر اس کی تقویت دیتے تو وہ تکبیت رائے سے اس کے ساتھیوں سے زیادہ بہتر کام سرانجام دیتا۔ سوائے خلعت پہننے کے کہ جو ایک مسخرہ پن اور مذاق تھا کسی کام کا تعلق اس سے نہیں رہا۔ حد یہ تھی کہ چالیس پچاس روپیہ ضروری خرچ کرنے کے لئے بھی وہ پریشان ہے۔

---

[1] شہزادہ سلیمان شکوہ شہنشاہ شاہ عالم ثانی کے بیٹوں میں سے ایک تھا اس نے ۲۴ر فروری ۱۸۳۸ء میں آگرہ میں وفات پائی اور سکندرہ میں شہنشاہ اکبر کے مقبرہ میں دفن کیا گیا۔

(BEALE - o/p cit, p 66)

وقائع ۱۲۰۴ ہجری مطابق ۹۰-۱۷۸۹ عیسوی

اس سال ٹکیت رائے کے دفتر کا سررشتہ دار میکو لال (کہ جس میں ان سب کی نسبت زیادہ آدمیت تھی) کا انتقال ہو گیا اور رہلاس رائے کہ جو زمل داس کے داماد کا بھائی ٹکیت رائے کا بڑا بھائی تھا ٹکیت رائے کا پیش کار مقرر ہوا۔ بیج ناتھ اور دھنپت خزانہ کے کام میں تھے وزمل داس ملک کی عمل داری کے کام میں لگا تھا۔ بیچارہ کہ جس کی حالت پہلے ہی سے ٹھیک نہ تھی اور جو دلالی پر گذر اوقات کرتا تھا اس وقت اور بھی زیادہ خراب ہو گئی۔ کچھ اور لوگوں کا حال اس کے بعد آئے گا۔

وقائع ۱۲۰۵ ہجری مطابق ۹۱-۱۷۹۰ عیسوی

اس سال امامباڑہ کی عمارت مکمل ہوئی اور اس میں تعزیہ داری کی رسم جاری ہوئی۔ معلوم ہونا چاہیئے کہ عمارتوں کی تعمیر پر نواب وزیر ہر سال دس لاکھ روپیہ صرف کرتا ہے جو ابتدا سے اس وقت تک جاری ہے۔ ہر وہ عمارت کہ جو مکمل ہو جاتی ہے ایک دو دن اس میں جا کر قیام کرتے ہیں پھر وہ خالی پڑی رہتی ہے۔ یہاں تک کہ اس میں رات میں چراغ کی روشنی اور دن میں جھاڑو بھی نہیں دی جاتی۔ خدا کے بندوں کو نواب کے اس شوق سے جو اذیتیں پہنچتی ہیں وہ بہت سی ہیں۔ ایک یہ کہ جس جگہ وہ کسی عمارت کی بنیاد رکھتا ہے وہاں کے برسہا برس کے پرانے رہنے والوں کو بغیر معاوضہ یا کوئی دوسری جگہ دیئے فوراً خالی کرنے کا حکم دیتا ہے۔ بہت مرتبہ ایسا ہوا ہے کہ لوگوں نے اپنا سامان اٹھانے کا موقعہ بھی نہیں پایا کہ بیلداروں نے خالی کرنے سے پہلے ہی مکان برباد کر دیا اور اس کے رہنے والے اپنے بال بچوں کے ہاتھ پکڑ کر باہر چلے گئے۔ دوسرے یہ کہ وزیر کے ملازم اینٹیں و لکڑی فراہم کرنے کے لئے لوگوں کے مکانوں کا سامان ہر ممکن بہانے سے قبضے میں کر لیتے ہیں اور اس کام میں اس قدر بے انصافی کرتے ہیں کہ گھر کے دروازے اور کھمبے کو جو اینٹ کے ہیں اور باقی مٹی کا ہے اور جس میں کوئی خاندان رہتا ہے پندرہ بیس ہزار اینٹوں کے لئے اسے

برباد کر دیتے ہیں۔ تیسرے یہ کہ عمارتی سامان کی گرانی ہے جس کا سبب جلد بازی اور کارکنوں کی بے تیغی ہے چوتھے یہ کہ عمارتی سامان اور بڑھئی و معماروں کا سامان اکثر ضبط کر لیا جاتا ہے۔ اس وقت لوگ اپنی ضروریات کے لئے اس قدر محتاج اور مجبور ہو جاتے ہیں کہ اپنے عزیزوں تک کی قبریں پختہ کرنے کے لئے بھی اینٹیں نہیں پاتے ہیں پھر موسم برسات میں ان کا کیا حال ہوتا ہوگا۔ یہ بات عمارتی سامان ہی پر موقوف نہیں بلکہ اکثر استعمال اور کھانے پینے والی چیزوں کا بھی حال ہے مثلاً گڑ، چاول و جلانے کی لکڑی وغیرہ کہ جن کے بھاؤ ایک سال میں کئی دفعہ چڑھ جاتے ہیں کیونکہ ان چیزوں کو نواب وزیر کے کارکن لے جاتے ہیں اور قیمت کے بدلے بھاؤ بڑھانے کا حکم دیتے ہیں۔ پانچویں یہ کہ وزیر کے اہلکار بلکہ تمام امرا بھی اس حکم کے مطابق کہ "اَلنَّاسُ عَلٰی دِیْنِ مُلُوْکِهِمْ" (لوگ اپنے بادشاہ کے طریقہ پر چلتے ہیں) وزیر کے طریقہ پر کثرت سے عمارتیں بنواتے اور غریبوں کو تکلیف پہنچانے کی کوشش کرتے ہیں۔ ہر کارکن جس محلہ میں کہ وہ رہتا ہے اس کے رہنے والوں کو نکال کر اپنے گھر کو کشادہ کرتا ہے۔ وزیر و ان کے مصاحب عمارتیں بنوانے میں اتنی جلدی کرتے ہیں کہ ان کو اینٹوں اور چونے کے پکنے کی دیر بھی برداشت نہیں ہوتی۔ ہر عمارت کہ جو اس کے زمانہ میں بنائی گئی ابھی وہ مکمل بھی نہیں ہو پاتی کہ گرنا شروع ہو جاتی ہے۔ چنانچہ نواب وزیر کی بنوائی ہوئی اکثر عمارتیں کہ جو شروع میں تعمیر ہوئی تھیں ویران ہونے لگی ہیں۔ دریائے گومتی کا پل جو دو تین لاکھ روپیہ کے خرچ سے تعمیر ہوا ہر سال برسات میں ٹوٹ جاتا ہے اور چالیس پچاس آنے جانے والے ہلاک ہو جاتے ہیں۔ برسات کے بعد اسی طریقہ سے اس کی مرمت میں جلدی کی جاتی ہے۔

غرضکہ وزیر کی بنائی ہوئی تمام عمارتوں میں ا لماباڑہ مضبوط اور قابل ذکر ہے[1]۔ یہ دو دالانوں

---

[1] اماباڑہ آصفی و اس کے اطراف کی عمارتوں کی دلکشی کا اندازہ بشپ ہیبر کے سفرنامہ میں ملتی ہیں اماباڑہ، رومی دروازہ و اس کی اطراف کی عمارتوں کا بیان کرتے ہوئے (باقی صفحہ پر)

ایک شہ نشین اور چند صحنچیوں پر مشتمل ہے۔ ان دالانوں کی لمبائی ساٹھ گز اور چوڑائی تیس گز ہے اور اس کے سامنے ایک بہت بڑا چبوترہ ہے جس کے درمیان میں پانی کا ایک حوض ہے۔ اس کا صحن بہت کشادہ ہے اور اس کے ایک طرف ایک بہت بڑی مسجد ہے اور اسی کے شایان شان دیگر عمارتیں بنی ہیں۔ ایک بہت اونچا دروازہ عمارت کے سامنے

(حاشیہ بقیہ ص۱۲۰) " کہتے ہیں :-

I have never seen an architectural view which pleased me more from the richness and variety, as well proportions and general taste of its principal features. The details a good deal resemble those of Eton, but the extent is much greater and the parts larger On the whole it is perhaps most like the Kremlin, but both in splendour and taste my old favourite falls very short of it.

میں نے فن تعمیر کا ایسا نمونہ، جس نے مجھے بے حد مسرت بخشی، کبھی نہیں دیکھا، جو بیش بہا اور رنگا رنگ ہونے کے علاوہ تناسب اور مذاق عام کی مطابقت کے ساتھ بنیادی خوبیوں کا حامل ہے۔

اس کی مخصوص خوبیاں Eton کی تعمیرات سے مشابہ ہیں۔ لیکن اس امام باڑہ کی وسعت اور اس کے حصے بڑے ہیں۔ مجموعی طور پر یہ کریملین (Kremlin) سے زیادہ مشابہت رکھتا ہے۔ لیکن چمک دمک اور خوش مذاقی میں میری پرانی پسند۔ یعنی عمارت (کریملن) اس کے مقابلہ میں ہیچ ہے ۔

(HEBER, W: NARRATIVE OF A JOURNEY THROUGH THE UPPER PROVINCES OF INDIA, VOL I, P 386, London 1828.)

بنوایا ہے۔ اس کے علاوہ دو تین بہت وسیع جلو خانے ہیں۔ ہر جلو خانہ میں اسی طرح سے تین تین بلند دروازے ہیں اور ان کے اطراف میں رہائشی مکانات، شفاخانے اور مسافر خانے ہیں۔ آخری جلو خانہ رومی دروازے کے نام سے مشہور ہے۔ یہ ایک گول عمارت ہے اور اس کی دیواروں پر ایسے نقش و نگار بنے ہوئے ہیں کہ ان کی لمبائی تینوں دروازوں کی مناسبت سے تیس گز اور اونچائی پچاس گز ہوگی جو دیکھنے والوں کے لئے حیرت کا سبب ہے۔ ان دروازوں اور دالانوں کی چھت تیس گز چوڑی ہے۔ اس عمارت کے تمام کمرے اینٹ اور چونے کے ہیں اور لکڑی کا اس میں بالکل استعمال نہیں ہوا ہے۔

اس کے تعمیر ہونے کے وقت سے اب تک ہر سال چار پانچ لاکھ روپیہ امام باڑہ کی آرائش پر صرف ہوتا ہے۔ سیکڑوں چھوٹے بڑے سونے و چاندی کے تعزیئے بنائے گئے اور اس قدر شیشہ جھاڑ، فانوس اور سونے چاندی کی سادہ و رنگین قندیلیں خریدی گئیں کہ جن کا حساب شمار سے باہر ہے۔ چنانچہ اس کشادگی کے باوجود دالان چھت سے زمین تک بھرے ہوئے نظر آتے ہیں اس طرح اس کی صفائی کرنے والوں کو اپنے کام میں دشواری ہوتی ہے اور تعزیہ داروں کی آمد و رفت کے لئے مشکل سے جگہ نکل پاتی ہے۔ اس کے باوجود وزیر کا دل نہیں بھرا ہے۔ جس وقت ڈاکٹر بلین ولایت جا رہا تھا اس وقت نواب نے شیشے کے دو تعزیوں کی فرمائش کی کہ جو جھاڑ، فانوس و دیگر لوازمات کے ساتھ ایک سرخ اور ایک سبز رنگ کا ہو۔ ایک لاکھ روپیہ اس کی قیمت مقرر ہوئی۔ ۱۲۱۱ ہجری میں ایک تعزیہ موصول ہوا اور دوسرا اگلے سال آنا طے ہوا۔

اس سال کے دوسرے واقعات میں یہ ہے کہ زین العابدین خاں جو اپنے بھائی مرزا شفیع خاں کے قتل کے بعد میل کی قید میں تھے کسی طرح جیل سے رہا ہو کر لکھنؤ پہنچے۔ سید محمد خاں ولد مرزا محمد یوسف اور مرزا رحیم خاں و عبدالمطلب خاں کہ جو برہان الملک مرحوم کے اعزہ میں سے تھے اور محمد قلی خاں مرحوم کے بیٹے (جو کہ بھوک کی شدت سے کھلم کھلا

ذو الفقار الدولہ کے لشکر میں چلے گئے تھے)۔ اکبر آباد کی گڑبڑ کی بنا پر زین العابدین خاں سے بہت پہلے اس طرف آ گئے۔ اور دوسری بار اسی علت میں بلکہ اس سے بھی زیادہ مصیبت میں پھنس گئے۔ اب اس خاندان کی تنگ حالی اور بے عزتی اس حد تک پہنچ گئی ہے کہ ایک بنئے نے مرزا جعفر ولد محمد قلی خاں کے مکانات کو روپیہ کی عدم ادائیگی میں لے لیا۔ واقعہ یہ تھا کہ جب بنئے نے یہ رقم مدت تک نہ پائی تو اس نے نواب وزیر کے وہاں دعویٰ کیا۔ مرزا جعفر نے دیر میں مطالبہ پیش کرنے کا عذر کیا اور سزاول سے مہلت مانگی۔ وزیر نے حکم دیا کہ اس کو ملک سے باہر نکال دیا جائے۔ اور اس کے خاندان اور اس کی اولاد کو اس سے چھین لیا جائے۔ وہ بیچارہ ایک گھوڑے پر بیٹھ کر کالپی کی طرف چلا گیا۔ جہاں سے اس کا ارادہ دکن جانے کا تھا۔ وہاں کے سرداروں نے (کہ جو جھاؤلال سے تعلق رکھتے تھے) وزیر کے حکم سے اس کو روکا۔ وہاں سے وہ پریشان و حیران بنارس آیا اور بنگال کا ارادہ کیا لیکن اس کے بعد کے حالات نہ معلوم ہو سکے۔ تعجب خیز بات یہ ہے کہ اپنے عزیزوں، قدیم ملازموں تمام شرفاء اعزہ، سپاہ و رعایا کے ساتھ اس سلوک اور ان مصارف کے باوجود جن کا ذکر ہو چکا ہے وزیر کا یہ خیال ہے کہ محض میرے باپ داداؤں کے حقوق کی بنا پر وان کے نام کی وجہ سے لوگ میرے فرمان بردار ہیں اور یہ زبردستیاں بڑی خوشی سے برداشت کرتے ہیں واس کی بدکرداریوں سے جو موت سے بھی زیادہ سخت ہیں چشم پوشی کر کے ان کو ظاہر کرنے کے لئے لب نہیں ہلاتے ہیں۔ اگر کوئی بیچارہ اپنے کو ان کاموں سے بچا کر ان سے کنارہ کشی اختیار کرتا ہے تو دوسرے عہدہ اور مرتبہ کے غرض مند اس کے متعلق فساد، بدخواہی اور بے وفائی کا الزام لگاتے ہیں۔ چنانچہ اس سلسلہ میں میری طولانی گفتگو ایک عقلمند اور تجربہ کار شخص سے ہوئی۔ میرا کہنا یہ تھا کہ دنیا حادثات کی جگہ ہے خاص طور سے اس زمانہ میں کہ جب زماں شاہ کے اس طرف آنے کے ارادوں کی خبر ہے ممکن ہے کہ کوئی فتنہ اور جھگڑا رونما ہو اس وقت رعایا و سپاہ ہیوں میں سے بعض وہ

کریں گے جس طرح کہ چیت سنگھ کے جھگڑے میں ہوا تھا نیز یہ کہ روہیلوں کا گروہ جو نمونیہ کے
مرض کی طرح اس ملک کے پہلو میں موقعہ کی گھات لگائے ہے دشمن سے زیادہ شورش
برپا کریں گے۔ اس زمانہ میں دشمن کا مقابلہ کس آدمی کے ذریعہ اور کس صورت سے کریں گے
اور کتنے بڑے اور چھوٹے لوگوں کا خون خرابہ ہوگا۔ اس شخص نے ان باتوں کی تصدیق کی اور
کہا کہ یہ بات درست ہے لیکن تم کو معلوم ہے کہ عوام کس قدر نا قابل اصلاح ہو گئے ہیں اور
بُرے قاعدے و طریقے ان میں رواج پا گئے ہیں اور بادشاہ کی حرکات و سکنات ابتدا سے
انتہا تک اصلاح کے خلاف ہے۔ اس صورت میں اگر ایک آدمی ان خرابیوں کے درست
کرنے کا ارادہ کرے تو وہ ان میں کہاں تک کامیاب ہوگا؟ میں نے جواب دیا کہ انگریزوں
کی قوت کا پیوند لگانے والوں کے ذریعہ سے فوج کی اصلاح ہو سکتی ہے بشرطیکہ غیریت کا یہ
پردہ جو حیدر بیگ نے ڈال دیا ہے اٹھا دیا جائے۔ اس شخص نے کہا کہ ممکن ہے لیکن اس کی
مثال ایسی ہے کہ اگر کوئی شخص اس نامعلوم مصیبت سے بھاگے تو ہو سکتا ہے کہ اس سے
بڑی مصیبت میں مبتلا ہو جائے۔ انگریز جس وقت دخل پائیں گے تو وہاں کے لوگوں کا حال
بنگال کے لوگوں کی طرح کا کر دیں گے۔ میں نے کہا کہ اگر انگریزوں کی نیت خراب ہے تو
ان کی اصلاح اس معاملہ میں بنگال کی طرح ہوگی اور وہ اس پر عمل کریں گے کیونکہ ان کو روکنے
والا کوئی نہیں ہے۔ بالفرض اگر وہ بیوفائی کے طریقہ سے پیش آتے ہیں تو جس حال میں لوگ
اس وقت پھنسے ہوئے ہیں اس سے بدتر حال اور کیا ہوگا۔ اس طرح چند مغلوب آدمی جو
ہزاروں آدمیوں کا حق چھین لیتے ہیں ان کا زور کم ہو جائے گا اور اس کے عوض ہزاروں
آدمیوں کی حالت بارونق ہو جائے گی و سخت وقت میں بھی لوگوں کی عزت و جان محفوظ
رہے گی۔ وہ شخص مسکرا کر چپ ہو گیا۔ امید ہے کہ مطالعہ کرنے والے اس مقام سے سرسری
طور سے نہ گذر جائیں گے بلکہ انصاف کریں گے کہ اس صورت میں کون شخص مسلمانوں کی
بدخواہی اور فساد پھیلانے میں زیادہ قریب ہے۔

وقائع ۱۲۰۶ ہجری
مطابق ۹۲-۱۷۹۱ عیسوی

اس سال حیدر بیگ کا انتقال ہوگیا اور ٹکیت رائے کا تقرر اس کی جگہ پر ہوا۔ اس کی تفصیل یہ ہے کہ جیسا کہ ذکر ہو چکا ہے قحط کے زمانہ میں بہت سی عورتیں حیدر بیگ کے گھر میں جمع ہوگئیں۔ اس سبب سے و ستر سال کی عمر ہونے کی وجہ سے اس کی قوت جوانی کو نقصان پہنچا۔ لیکن اس کا حرص بڑھ گیا۔ حکیم شفائی سے علاج کی خواہش کی۔ حکیم موصوف کا حکم تھا کہ گھاس کے ایک تنکے کو دار چینی کے عطر میں ڈبو کر پان میں لگا کر ہر روز دو وقت کھائے۔ حیدر بیگ نے اس علاج سے فائدہ دیکھ کر بغیر حکیم کو اطلاع دیے ہوئے کثرت سے اس کا استعمال کیا۔ عطر دار چینی کی گرمی اور لطافت نے اس کی اصلی رطوبتوں کو کہ جو ختم ہو رہی تھیں خشک کر دیا اور حرارت غریبہ (جو دق سے پہلے اعضا پر غالب آجاتی ہے) پیدا کر دی۔ حکیموں نے بہت ہاتھ پاؤں مارے لیکن فائدہ نہ ہوا۔ وہ اعمال کی سزا گاہ میں پہنچ گیا۔ اس کی تاریخ وفات اس ایک رباعی سے ظاہر ہوتی ہے کہ جو اس زمانہ کے ایک شاعر نے نظم کی ہے۔

آں کو بغرض تخم بدِ مردم کاشت
از ہیچ خیانت بہرہ، و جملہ گذاشت

خسروانِ دوکون حاصل بدبیں بود
تاریخ وفات، فردایں بنگاشت

اس کے انتقال کے بعد جائداد کی ضبطی کا قاعدہ کہ جو نواب مرحوم کے زمانہ سے اس حکومت میں رائج تھا اور اس جگہ بھی ضروری تھا عمل میں نہیں آیا کیونکہ حسن رضا خاں نے اپنے انجام کے خوف سے نواب وزیر کو لارڈ کارنوالس کی طرف سے خوف دلا کر اسکی جائیداد

کی ضبطی سے روکا۔ اس کا سونا و جواہرات، بچوں کی کم عمری کی وجہ سے بیویوں کے قبضہ میں تھے۔ جو کچھ جس کے ہاتھ میں تھا وہ اسی کے ہاتھ میں رہ گیا۔ اس خوف سے کہ اس کو لے لیں گے تمام لکھنؤ میں (وہ موتی ہیں) منتشر ہو گئیں اور جس کے ہاتھ میں جو کچھ پڑا پھر اس کے مالک کو نہیں ملا۔ ملازم اور حرم سرا کے خادم جواہرات اور دیگر چیزوں کو فروخت کرانے کے سبب سے اتنے امیر ہو گئے کہ ان میں ایک خدمت گار محمد حسین خاں (جو حیدر گنج میں رہتا ہے) نے ایک لاکھ روپیہ کمایا۔ حیدر بیگ نے بہت سے لڑکے اور لڑکیاں چھوڑی ہیں۔ ان میں اکبر علی خاں اور حسین علی خاں بیوی کے پیٹ سے ہیں وہ بہت مشہور ہیں۔ حسین علی بڑے کاموں اور بد اعمالی میں مشہور رہے۔ لیکن اکبر علی خاں ایک باوقار، کم گو اور اچھے

مسٹر اروِن کی اس کے برخلاف حیدر بیگ کی صلاحیتوں کے متعلق بہت اچھی رائے ہے۔ ان کے مطابق

Haidar Beg Khan died in 1795, and with him expired such little vitality as still lingered in the administration of the province.

حیدر بیگ خان نے ۱۷۹۵ء میں وفات پائی تو اس کے ساتھ ہی جو کچھ تھوڑی بہت انتظامی طاقت اودھ میں باقی رہ گئی تھی اس کا بھی خاتمہ ہو گیا۔

IRWIN, H.C. – THE GARDEN OF INDIA, p.94 London – 1880

ایک مشہور مورخ کالن ڈیوس کا کہنا ہے کہ ۔

" Abu Talib is prejudiced against Haidar Beg Khan and therefore not to be trusted.

(Collin Davies, C., Warren Hasting and Oudh p.192, – London, 1959

ابو طالب نے حیدر بیگ کے ذکر میں تعصب سے کام لیا ہے اور اسی لئے اسکی رائے ناقابل اعتبار ہے۔

(Collin Davies, C. Warren Hastings and Oudh, p.192 London. 1959

اطوار والا نوجوان ہے۔ اس کی کوئی ناشائستہ حرکت دیکھی یا سنی نہیں گئی ہے۔ کیا تعجب کہ اگر کاموں کا تجربہ حاصل کرے تو باپ کے عہدہ کی لیاقت استحقاق کے ساتھ حاصل کر سکتا ہے

اب اس جگہ حیدر بیگ کے کردار کے متعلق جو باتیں عوام میں مشہور ہیں ان کو لکھتا ہوں تاکہ سب کو معلوم ہو جائیں۔ پہلے میں اہلکاروں کے طبقہ کی بابت لکھتا ہوں۔

معلوم ہونا چاہیئے کہ یہ لوگ حیدر بیگ کی عادات اور اس کی دولت دیکھ کر اس کے ساتھ بد دیانتی کے کاموں میں شریک تھے اور انھوں نے اپنے آقا کی طرح تصرفات کئے۔ چنانچہ نائب، سررشتہ دار، بخشی و خزانچی کے اخراجات کہ جو مسلسل رائج ہیں ہر ایک کے اس قدر ہیں کہ پہلے زمانہ میں نواب برہان الملک کے تھے۔ اس کے باوجود وہ اپنا وقت کاہلی میں گذارتے ہیں اور انھیں ملک و فوج کے انتظام کی فکر نہیں ہے۔ اہل قلم (دفتری لوگوں) کی بد دیانتی عام ہے کہ ہر شخص سو روپیہ پیشگی ان کو دیتا ہے اور سو روپیہ مہینہ معہ جائداد و پروانہ تنخواہ کے پاتا ہے۔ حکام اور فوج کے حسابات کہ جو اس زمانہ میں برباد کئے ہیں کروڑوں تک پہنچے گی۔ مہاجنوں نے نواب اور فوطہ داروں کے معاملات میں خاص طور سے سود کے بہانہ چھٹا حصہ اپنے لئے مقرر کیا ہے۔ ان لوگوں نے بہت زیادہ اخراجات اور فضول خرچیاں خلاف قاعدہ کیں۔ جن کا ذکر وزیر کی فضول خرچیوں کے ضمن میں ہو چکا ہے۔ کارخانہ دار لوگ اس قدر نڈر ہو گئے ہیں کہ گھوڑے کا دانہ، ساز، گوشت، گھی، کھانے کے سب سامان اور تمام وہ چیزیں جو ان کی تحویل میں ہیں مثلاً کپڑے، تلوار، خیمہ و بندوق وغیرہ بازار میں اعلانیہ کم قیمت پر بیچتے ہیں۔ برے قاعدوں میں کہ جن کی وجہ سے لوگوں کو بد دیانتی کی جرأت ہوئی اور ہر کام ابتر ہوا ان میں زیادہ خراب بات یہ ہے کہ ہر کمیدان توپخانہ کے سردار داروغہ اور ہر خدمت گار کے اخراجات اس کی آمدنی سے چار گنا زیادہ ہیں اگر بد دیانتی نہ کریں تو کہاں سے پورا کریں۔ اسی طریقہ پر نواب وزیر کے حکام کی خیانت ہوتی ہے کہ جن

میں ہر دفعہ پانچ ہزار سے پچاس ہزار تک چھوٹے بڑے کی حیثیت کے مطابق صرف ہوتے ہیں اور جو زیادہ چوری کرتا ہے اس معاملہ میں اتنا ہی مبالغہ کرتا ہے وہ نواب کے نزدیک اتنا ہی زیادہ عزیز ہے ۔ فَاعْتَبِرُوْا یَا اُولِی الْاَبْصَار ۔ (بس عبرت حاصل کرو اہل نظر)

فوج کی حالت یہ ہے کہ سو آدمیوں میں سے پچاس جعلی ہیں ۔ اور جعلی تنخواہ جمعدار و بخشی مل جل کر کھاتے ہیں ۔ نیز یہ کہ سو گھوڑوں میں سے دس سواری کے لائق ہوتے ہیں ۔ اکثر فوج بغیر ہتھیاروں کے ہے اور جو کچھ ہتھیار ہیں بھی وہ ناکارہ ہیں ۔ رعایا میں سے جو شخص بھی کچھ قوت اور حیثیت رکھتا ہے یا جس کو کسی جماعت کی حمایت حاصل ہوتی ہے وہ اپنے محصول میں سے بڑے تکلف کے بعد تھوڑا سا عامل کو ادا کرتا ہے و باقی کو اپنے مددگاروں ، قلعہ بنوانے اور اسلحہ و فساد پھیلانے والے ذرائع کی تیاری میں خرچ کرتا ہے ۔ جو کمزور ہے وہ کشمکش سے سر کھجلانے تک کا موقع بھی نہیں پاتا ہے اور جو کچھ بھی وہ اپنا حصہ پاتا ہے عامل اس سے لے لیتا ہے و اس کے علاوہ اس کے بیل اور کھیتی کا سامان بیچنے پر نظر رکھتا ہے ۔

ملک کی آمدنی کی حالت مذکورہ تشریح سے واضح ہو جاتی ہے ۔ جان لینا چاہیئے کہ اس شرح میں ۱۱۹۹ فصلی (۹۲ - ۱۷۹۱ء) کی آمدنی کہ جو حیدر بیگ کا درمیانی زمانہ ہے و نواب مرحوم کی وفات یعنی ۱۱۸۸ فصلی (۸۲ - ۱۷۸۱ء) کی آمدنی کی کمی اور اضافہ کے فرق کو دکھایا گیا ہے ۔ تحصیل حضور یعنی نواب کی خاص آمدنی والی جاگیر ، ضبط کی ہوئی جائداد اور سیر کی آمدنی جو تقریباً بیس لاکھ روپیہ ہوگی اس جگہ درج نہیں ہے ۔ اگر اس کی اچھی طرح چھان بین کی جائے تو ۱۱۸۸ فصلی کی آمدنی تین کروڑ تک پہنچے گی اور کمی ایک کروڑ تک ۔

اسامی	جمع ۱۱۸۸ فصلی	جمع ۱۱۹۹ فصلی	اضافہ	کمی
علاقہ الماس از محالات				
سر براہ چکلہ اٹاوہ و کوڑہ	۹۲،۱۷،۰۰۰	۶۳،۰۴،۳۰۰	——	۲۹،۱۲،۷۰۰
چکلہ بریلی وغیرہ	۶۵،۷۰،۰۰۰	۳۵،۰۰،۰۰۰	——	۳۰،۷۰،۰۰۰

چکلہ بہرائچ، گونڈہ و گورکھپور	۱۶,۲۲,۰۰۰	۱۰,۰۰,۰۰۰	—	۶,۲۲,۰۰۰
سرکار خیرآباد	۱۱,۹۴,۰۰۰	۱۳,۸۰,۱۲۴	۲,۱۶,۱۲۴	—
سلطان پور	۹,۱۳,۰۰۰	۵,۳۵,۰۰۰	—	۷۸,۰۰۰
الہ آباد	۹,۹۴,۰۰۰	۸,۱۵,۰۰۰	—	۱,۷۹,۰۰۰
اعظم گڈھ و مابل	۸,۶۶,۰۰۰	۷,۰۰,۰۰۰	—	۱,۶۶,۰۰۰
پرتاب گڈھ وغیرہ محال	۱۳,۴۰,۰۰۰	۶,۱۸,۰۰۰	—	۷,۲۲,۰۰۰
سندیلہ ملیح آباد معہ ہردوئی	۵,۹۸,۳۰۰	۴,۳۸,۶۴۵	—	۵۹,۶۵۵
اکبرپور و دوست پور	۴,۴۵,۰۰۰	۴,۱۵,۰۰۰	—	۳۰,۰۰۰
اودھ، دریاباد و رودولی	۱۴,۸۲,۰۰۰	۱۱,۳۱,۸۱۵	—	۲,۵۰,۱۸۵
انکپور و بہار	۱,۸۱,۰۰۰	۱,۶۰,۰۰۰	—	۲۱,۰۰۰
بیسواڑہ معہ بریلی و دلمئو	۱۸,۴۵,۰۰۰	۱۳,۶۵,۳۰۳	—	۴,۷۹,۶۹۷
(تعلقہ) محمودی	۲,۲۹,۰۰۰	۲,۰۰,۰۰۰	—	۲۹,۰۰۰
کھیراگڈھ	۲,۱۱,۰۰۰	۲,۰۰,۰۰۰	—	۱۰,۰۰۰
ٹانڈہ	۴,۷۰,۰۰۰	۸,۱۳,۰۷۹	۳,۴۳,۰۷۹	—
حویلی لکھنؤ	۱,۶۲,۰۰۰	۷۲,۰۰۰	—	۹۰,۰۰۰
ملک دستور پور	۵,۹۰,۰۰۰	۲,۵۰,۰۰۰	—	۳,۴۰,۰۰۰
میزان کل	۲,۸۵,۹۸,۳۰۰	۲,۰۰,۹۸,۲۲۳	۵,۵۹,۲۰۰	۹۰,۵۹,۲۳۷

غرضکہ حیدر بیگ کے بعد اس بڑے گروہ میں نکیت رائے پر نواب وزیر کی نظر انتخاب پڑی۔ ان کی مصلحت اس تجویز میں اتنی ہی تھی کہ چونکہ نکیت رائے کم حیثیت اور نچلے طبقے کا آدمی ہے اس لئے فضول فرمائشات کو رد نہیں کرے گا وحیدر بیگ کی طرح انگریزوں سے متعلق میری

خواہشات کو نہیں ٹلنے گا۔ ایسے اہم کام میں وہ علاوہ اس کے (اپنے نقطۂ نظر) کوئی اور اچھی یا بری چیز نہیں سوچتا ہے۔ انصاف پسند عقلمند غور کریں کہ وہ معاملہ کہ جو ابتدا میں ایسے مضبوط خیالات پر قائم ہو اس کی انتہا کیا ہوگی۔ اسی طرح وزیر کے عام کاموں میں کوتاہ اندیشی کو دخل حاصل ہے۔ اسی وجہ سے عزت دار لوگ پیچھے ہٹ گئے وکم عزت لوگ آگے آگئے۔ لیکن ان کو بھی آرام میسر نہیں ہوا۔ کیونکہ جو شخص بھی کسی عہدہ پر مقرر کیا جاتا ہے اگر اس نے کوئی کام وزیر کی مرضی کے خلاف کیا تو فوراً وزیر کی بدمزاجی کے حملہ میں گرفتار ہو جاتا ہے۔ اگر اس نے نکمیت رائے کی طرح وزیر کی موافقت اختیار کی تو (تباہی) کے ظاہر ہونے کے بعد جو ملک کے لئے لازمی چیز ہے۔ وہ وزیر کا معتوب ہو جائے گا۔ وہ لوگ کہ جو انگریزوں کی خدمت پر مقرر ہونے میں اگر اپنے امیروں کی دلی خواہشات کے مطابق کام کرتے ہیں، نفاق سے پیش آتے ہیں تو انگریزوں کے غصہ اور عتاب میں مبتلا ہو جاتے ہیں اور اگر وہ اپنی مرضی کے مطابق کام کرتے ہیں تو وزیر کی بے خواہی کے بھنور میں گر پڑتے ہیں۔ یہ حقیر بھی اسی بعد والے گروہ میں سے ہے کہ بیس سال سے اسی کشمکش میں پھنسا ہوا ہے۔ معلوم نہیں کہ کب خدا کی مخلوق ان کے ظالمانہ عمل سے چھٹکارا پائے گی۔ اس لئے کہ لوگوں کی اس کام سے غفلت اور ان کی عادتیں وہندوستانی رسوم کے متعلق رجحان اوران مختلف عناصر کا ایک جگہ جمع ہونا اور انگریزوں کی امداد اس کے مانع ہے۔

مختصر یہ کہ حیدر بیگ کی بداندیشی کی وجہ سے نیابت کے عہدہ کے لائق لوگ بے بال زیر وخانہ نشین ہو گئے۔ موجودہ لوگوں میں نکمیت رائے مختار کل تھا لیکن اس کی نااہلی سے واقف ہونے کے باوجود لارڈ کارنوالس اور کاؤنسل کے ممبروں نے وزیر کی اس پسند کو مان لیا اگرچہ وہ لوگ نکمیت رائے کے نیچ خاندان ہونے سے واقف تھے لیکن وزیر کو خوش رکھنے کے لیے حیدر بیگ کے معتوب لوگوں میں سے کسی کو لانے کی ہمت نہ کر سکے حالانکہ اس چیز کی اس وقت ضرورت تھی۔ دراصل انھیں ہر وہ بات کرنی چاہیئے تھی جو وزیر کی رائے کے خلاف ہو نیز وزیر کی اسراف کی عادت کم کرنا بھی ضروری تھا۔ حکومت کے کام کو مکمل طور سے درست

کرنیکے لئے جس پر لوگوں کی فلاح وبہبود کا انحصار ہے اور جس میں کہ وہ خود بھی بہت ہوشیار ہیں میں ان کو تحریر کے آخر میں لکھوں گا۔ اور ایک مرتبہ پھر اس مہلک زہر کو برداشت کرنا پڑے گا۔ اگر اسے بچوں کی طرح کھا جائیں تو یہ مصلحت کے عین مطابق ہوگا اس کے نتیجے دیکھنے کے بعد (ممکن ہے کہ) وزیر اس پر راضی ہو جائے و دوسروں کو تکلیف نہ دے۔

الغرض وزیر نے اجازت حاصل کرنے کے بعد ٹکیت رائے کو نیابت سے نوانا اور مرزا حسن رضا خاں کو بھی کاموں میں دخل دینے کی اجازت دی و ناظر بنایا۔ اگر اس وقت حسن رضا خاں میں سمجھ ہوتی تو اس کا تسلط ملک میں پھیل جاتا لیکن وہ دور اندیشی اور معاملات کو نہ سمجھنے کے باعث ہر معاملہ میں خود الگ رہتا۔ ٹکیت رائے کو آگے رکھتا اور اس کے کام کو اس مرتبہ تک پہنچا دیا کہ خود اس کا دست نگر ہو گیا۔ لیکن ٹکیت رائے نے اپنی تنگ ظرفی اور کمینگی کی وجہ سے حسن رضا خاں کی خدمت میں کوتاہی کرنا شروع کی یہاں تک کہ اس کے نتیجہ میں دونوں میں جھگڑا شروع ہو گیا و درمیان میں جھاؤلال نے قابو پالیا

یہ خیال میں رہے کہ اس جھگڑے میں مرزا حسن رضا خاں کی کوئی خطا نہیں تھی اس لئے کہ اپنی شرافت کی وجہ سے وہ خود کو واپنے دوستوں کو اچھی طرح پہچانتا تھا اس لئے حیدر بیگ کے ابتدائی دور سے اس وقت تک ہمیشہ کاموں میں جلدبازی سے غمگین رہا۔ جو کچھ برتاؤ وہ اس کے ساتھ کرتے تھے اس پر قانع تھا۔ اس سیدھے پن کی وجہ سے مرزا جعفر نے اس کی بہن سے شادی کر لی۔ یہ ایسے ہوا کہ رنگ برنگی باتوں سے اس کی کارگذاری کو بڑھا چڑھا کر بیان کر کے اسے خوش کر لیا۔ حالانکہ حسن رضا خاں اور مرزا جعفر دونوں اپنے گھر کے انتظام سے عاجز ہیں۔ اور اس وجہ سے ہمیشہ تنگی اور رضرورتمندی میں دن گذارتے ہیں۔ مرزا جعفر کا غرور اور کاہلی اس حد تک بڑھی ہوئی تھی کہ سوائے حسن رضا خاں کے گھر کے کاموں کی ذمہ داری اور چندہ وزجیہہ نائب بخشی گری کر لینے کی وجہ سے اپنے دوستوں کو دکھ پہنچائے۔ وہ گھر کے کام کی زیادتی کا بہانہ کر کے لوگوں کی بات نہیں سنتا تھا۔ وہ رات کو مسخرے مصاحبوں

کے مجمع میں بیٹھتا اور صبح کو تین گھنٹے دن چڑھے تک کا ناسنتا واکثر کہا کرتا :

من و مرغیٔ من ہر دو آنقدر خسپند
کہ ہر دو را دو مرغیٔ خوب می باید

وقائع ۱۲۰۷ ہجری

مطابق ۹۳-۱۷۹۲ عیسوی

اس سال لارڈ کارنوالس[1] نے لکھنؤ کے انتظامات کی ابتری سے متاثر ہو کر اس ناچیز کی سفارش کا ایک خط اپنے مرتبہ کی عزت کے لائق لکھا و مجھے لکھنؤ روانہ کیا۔ میں چار سال سے کلکتہ میں تھا۔ اس زمانہ کا مختصر حال یہ ہے کہ میرے پہنچنے کے بعد لارڈ موصوف نے میری

---

[1] چارلس کارنوالس، فرسٹ مارکویس (Charles Cornwallis, First marquis) (۱۸۰۵-۱۷۳۸ء) گورنر جنرل۔ یہ ۱۷۳۸ء میں پیدا ہوا۔ ایٹن Eton میں تعلیم حاصل کی و گارڈز میں ۱۷۵۶ء میں داخل ہوئے۔ ٹیورن Turin کی ملٹری اکیڈمی میں فوجی تعلیم پائی۔ ۶۲-۱۷۵۸ کے عرصہ میں جرمنی کی لڑائی میں حصہ لیا۔ ۱۷۷۵ء میں یہ میجر جنرل ہوا۔ ۱۷۷۶ء میں یہ امریکہ کی لڑائی میں شامل ہوئے۔ اور سکنڈ ان کمانڈ تھے۔ ۱۷۸۵ء میں انھوں نے ہندوستان جانے سے انکار کر دیا لیکن ۱۷۸۶ء میں گورنر جنرل کا عہدہ قبول کر کے یہاں چلے آئے۔ ساتھ ہی ساتھ یہ کمانڈر انچیف بھی تھے۔ ٹیپو کو فروری ۱۷۹۲ء میں شکست دیکر صلح پر مجبور کیا۔ اکتوبر ۱۷۹۲ء میں ان کو مارکویس بنایا گیا اور اس کے ایک سال بعد ۱۷۹۳ء میں انگلستان واپس گئے۔ یکم فروری ۱۷۹۷ء میں انھیں دوبارہ گورنر جنرل بنایا گیا۔ لیکن یہ یہاں پر تیار نہ ہوتے۔ ۱۷۹۸ء میں ان کو آئرلینڈ میں وائسرائے و کمانڈر انچیف بنا کر وہاں کی بغاوت کو فرو کرنے کے لیے بھیجا گیا۔ انھوں نے اس عہدہ سے ۱۸۰۱ء میں استعفیٰ دیدیا۔ کیونکہ بادشاہ نے اس کی کیتھولکوں کے ساتھ اچھا برتاؤ کرنے کی تجویز کو نامنظور کر دیا تھا۔ ۱۸۰۵ء میں ان کو دوبارہ گورنر جنرل و کمانڈر انچیف بنا کر ہندوستان بھیجا گیا لیکن جلد ہی غازی پور میں ۵ اکتوبر ۱۸۰۵ء کو ان کا انتقال ہو گیا۔
(BUCKLAND, op.cit, pp 94-95)

گذارشیں سن کر بروقت امداد کا وعدہ کیا اور بالفعل حیدر آباد کی سفارت کے لئے نامزد کیا۔ اس دوران میں ٹیپو کی جنگ کے جھگڑے کی وجہ سے خود ان کو حیدر آباد جانا پڑا۔ اور یہ تجویز رہ گئی۔ لہٰذا ایسے معاملات میں تفضل حسین کی زبانی سفارشی پیغام دیا اور خود دکن کی طرف روانہ ہو گئے۔ حیدر بیگ نے دکن سے آنے والی وحشت ناک خبریں سن کر لارڈ کارنوالس کی سفارش کو نہیں مانا اور ان جھگڑوں کو رفع کرنے کے زمانہ میں خود وفات پا گیا۔ لارڈ کارنوالس نے اپنے دارالسلطنت واپس آنے کے بعد مجھے ملاقات پہنچانے کا وعدہ کر کے لکھنؤ رخصت کیا۔ اس کا مقصد یہ تھا کہ بالفعل اس کے عنایت نامہ کے ذریعہ سے اس جگہ جا کر وہاں کے کام میں شریک ہو جاؤں اور اسی کے بعد میں نے جو کچھ اس کے دل میں تھا اسے عمل میں لایا۔ لیکن، قسمت کی خرابی سے جیسے ہی میں لکھنؤ پہنچا لارڈ موصوف ولایت روانہ ہو گئے۔ راجہ ٹکیت رائے اپنے معاملہ کی فکر میں مستعد تھا اور حسن رضا خاں نے کم ہمتی کے باعث کام میں دخل نہیں دیا۔ ان لوگوں نے چند سال ظاہر داری اور وعدوں میں گذار دیئے۔ پانچ سو روپیہ ماہوار جو نواب کی سرکار سے میرے گذارہ کے لئے مقرر تھے وہ بڑی مشکل سے مجھے ملتے تھے۔

اسی سال حسن رضا خاں اور ٹکیت رائے نے لارڈ کارنوالس کو رخصت کرنے و سر جارج شور سے ملاقات کے لئے کلکتہ کا سفر کیا۔ یہ دونوں نوبت اور ماہی مراتب سے سرفراز ہوئے اور باوجود باہمی اختلاف کے ان میں اتحاد ہو گیا۔ حسن رضا خاں نے اس سفر میں مجھے ساتھ لے جانے کی بہت کوشش کی لیکن ٹکیت رائے کے ڈر سے وزیر سے کچھ نہیں کہا۔ ٹکیت رائے نے بھی حسن رضا خاں کے خوف سے اس ذکر کو ملتوی رکھا۔ دونوں لکھنؤ سے روانہ ہوئے۔ بعد اس کے میں نے وزیر سے اس سفر اور لارڈ موصوف کی خدمت میں پہنچنے کی اجازت طلب کی۔ وزیر نے خلعت اور رخصت دے کر اجازت دی۔ چنانچہ میں حسن رضا خاں کے ساتھ شامل ہو گیا۔ تین منزل تک اس کے ساتھ آیا۔ لیکن ٹکیت رائے یہ سن کر مضطرب ہوا۔ اور اپنی جگہ سے حرکت نہیں کی۔ اس نے وحشت کی باتیں نواب کے کانوں

میں پہنچائیں تو اس کے متعلق پے درپے شقّے روانہ کیے۔ حسن رضا خاں نے مجبور ہو کر اصرار کر کے مجھے واپس لوٹا دیا[1] اور یہ دونوں آدمی کلکتہ چلے گئے۔ اپنی حماقت و بیوقوفی کے اظہار کی وجہ سے انھیں وہاں اطمینان نصیب نہ ہوا۔ اگلے سال وہ لکھنؤ واپس آئے تقریباً پندرہ لاکھ روپیہ کا خرچ اس سفر میں نواب وزیر پر ظاہر کیا۔

وقائع ۱۲۰۸ ہجری

مطابق ۹۴-۱۷۹۳ عیسوی

اس سال مسٹر ایف معزول ہوئے و مسٹر چیری لکھنؤ کے ریزیڈنٹ مقرر ہوئے۔ معزول ہونے کے بعد مسٹر ایف بغیر کسی مقصد کے لکھنؤ میں رہے اور نواب وزیر کی خوشنودی حاصل کرنے کے لئے نواب بیگم کو نذر پیش کی۔ باوجود اس کے کہ لکھنؤ کے رہنے والوں میں سے پانچ چھ سے زیادہ آدمی اس کے وہاں نہیں آتے جاتے تھے اس نے ان سے ملاقات کے لئے ایک دن مقرر کیا۔ و اکثر اس میں تبدیلی بھی کرتا۔ چنانچہ بعض لوگ اکثر اس کی ملاقات کے لئے آتے ہیں اور اکثر مایوس لوٹ جاتے ہیں۔

کسے کو تا بہ گل گوید کہ از مرغان بے بالے
بجز بلبل نہ داری ارچہ داری لبس تیر اورا

---

[1] ابوطالب اس بات کا اشارہ اپنے ایک خط میں لارڈ کارنوالس کو ایک خط میں کرتا ہے۔ یہ خط نیشنل آرکائوز آف انڈیا میں محفوظ ہے۔

(O.R. 260, RECD. 13th JUNE, 1793; AR 9, p 34, NO 322
NATIONAL ARCHIVES OF INDIA, New Delhi)

کارنوالس سے ابوطالب کے تعلقات کا اندازہ اس بات سے کیا جا سکتا ہے کہ ڈبلن کے دوران قیام ہی اس سے کئی بار ملنے گیا اور لارڈ موصوف نے ابوطالب کی بو تیس کیں وان کو ڈبلن گھمایا۔
(مسیر طالبی صفحہ ۱۰۹)

ان کا نائب مسٹر جانسن ہر کام کی اس قدر لیاقت رکھتا ہے کہ وزیر کے اہلکار اس کی معاملہ فہمی کی وجہ سے رات کو آرام کی نیند نہیں سوتے تھے۔ لیکن کیا فائدہ کہ مسٹر لیف سے ناموافقت کی وجہ سے کاموں میں دخل نہیں دیتا ہے اور اس کی ذلت آمیز حرکتوں و غصّہ کے باعث اپنا وقت پیچ و تاب کھانے میں گذارتا ہے۔ اس کے باوجود مسٹر لیف کا اثر کمپنی کے دوسرے گماشتوں سے زیادہ ہے۔

اس سال وزیر علی خاں کی شادی اشرف علی خاں بن بندہ علی خاں کی لڑکی سے ہوئی۔ آتش بازی اور روشنی کی زیادتی[1] اور شان و شوکت کے دوسرے ساز و سامان اس مرتبہ کے تھے کہ ان کی تفصیل طوالت کا باعث ہوگی۔ اس شادی میں بیس لاکھ سے زیادہ روپیہ صرف ہوا۔ شادی کے دن نواب وزیر، وزیر علی کے تخت رواں کے آگے کچھ دور پیدل چلا۔ لوگوں نے سوار ہونے کی درخواست کی تو کہا کہ میری یہ انتہائی آرزو ہے کہ آج کے دن اپنے ملازموں کی طرح وزیر علی کی سواری کے آگے چلوں۔ وزیر علی کی تعظیم میں اتنا مبالغہ کرنے کے باوجود کچھ عرصہ بعد اس کا تمام شان و شوکت کا سامان ضبط کر کے اپنی زبان سے کہا کہ یہ فراش بچہ اپنی اصل پر چلا گیا ہے۔ یہ اس لئے کہ وزیر علی اپنی حرم سرا میں اکثر کبوتر یا مرغ کو مار کر گھر کے لوگوں کو اس کی تعزیت کا حکم دیا کرتا تھا اور خود وہ ماتمی لباس پہن لیتا گویا اس حرکت سے وزیر کی موت کا شگون لیتا ہے اس وجہ سے نواب وزیر اس سے ناخوش تھا۔ فراش زادہ ہونے کا طعنہ دینے کی وجہ دراصل یہ ہے کہ حقیقتاً وزیر علی ایک فراش کا لڑکا تھا۔ فراش نے اپنی حاملہ بیوی کو روپیہ کے عوض نواب وزیر کے حوالہ کر دیا تھا۔ یہ معاملہ تنہا وزیر علی کے ساتھ مخصوص نہیں ہے بلکہ وزیر کی تمام اولادیں اسی طرح کی ہیں۔ وزیر کے ملازم ایسی غیری عورتوں کو ان کے وارثوں سے حاصل کر کے محل میں داخل کر لیتے ہیں۔

---

[1] لندن کی روشنیاں دیکھ کر ابوطالب کو وزیر علی کی شادی کی آتش بازی اور روشنیاں یاد آگئیں جن کا ذکر اس نے مسیر طالبی میں کیا ہے۔

کبھی کبھی ایسی ہی حاملہ عورت وزیر کی سواری کے آگے آکر فریاد کرتی ہے کہ فلاں وقت تمہارے ساتھ سوئی تھی۔ میرے ساتھ تم نے وفاداری نہیں کی لیکن اپنے بچہ پر توجہ کرو جو میرے پیٹ میں ہے۔ وزیر تصدیق کرا کر اسے حرم میں داخل کر لیتا۔ چند ذیل لوگوں کو جو اس کی صحبت میں رہتے ہیں ہمیشہ حرم میں داخل ہونے کی اجازت ہوتی اور ان بچوں کی بدشکل اور سیاہ رنگ ان کے نسب کی غمازی کرتے ہیں۔ اس شادی کے بعد ہر سال اسی زمانہ میں وہ شادیاں کرواتا ہے اور یہ سلسلہ مولی کے اختتام تک چلتا رہتا ہے۔ اس سے دوسرے سال مرزا جنگلی کی لڑکی اپنے دوسرے لڑکے رضا علی کے لئے چاہی۔ مرزا جنگلی کی حالت خراب ہو گئی تھی۔ آخر کار اس نے مجبوراً منظور کر لیا۔ لیکن شب عروسی میں ضبط نہ کر سکا۔ وہ لوگوں کے سامنے خوب رویا اور غصہ کی مٹی اپنے سر پر ڈالی۔ باوجود اس کے کہ اس کا مقصد اس رونے سے صاف ظاہر تھا۔ وزیر نے کہا کہ میرا بھائی اپنی لڑکی کی جدائی میں رو رہا ہے بالفاظ اس کی لڑکی کسی دوسرے ملک میں نہیں جا رہی ہے کہ ملاقات نہ ہو سکے گی۔ اس کام کی بدولت سے کہ شجاع الدولہ کی پوتی ایک بے نسب گھر بیاہ جاتی ہے کہ جن کے نسب میں بھی شبہ ہے لوگ اپنے چہروں پر طمانچے مار کر افسوس کر رہے تھے اور قرآن کی یہ آیت ان کی زبان پر تھی۔

خَتَمَ اللّٰہُ عَلٰی قُلُوْبِھِمْ وَعَلٰی سَمْعِھِمْ وَعَلٰی اَبْصَارِھِمْ غِشَاوَۃٌ ط

(مہر کر دی اللہ نے ان کے دلوں پر ان کے کانوں اور آنکھوں پر پردے پڑے ہیں۔)

وقائع ۱۲۰۹ ہجری

مطابق ۹۵-۱۷۹۴ عیسوی

اس سال جنرل ابر کرامبی[1] نے کمپنی کے معائنہ کے لئے بجرہ کی سواری سے کانپور کا ارادہ کیا۔ ابھی وہ راستہ ہی میں تھا کہ روہیلوں کا جھگڑا اٹھ کھڑا ہوا اور نواب وزیر نے دلمئو کے محاذوں پر اس سے ملاقات کر کے بہت خوشامد کے بعد غلام محمد سے جنگ کرنا طے کیا۔

---

[1] سر رابرٹ ابر کرامبی (Sir Robert Aber cromby)(۱۸۲۷ — ۱۷۳۰) سر رالف کے چھوٹے بھائی تھے۔ یہ ۱۷۵۶ء میں فوج میں داخل ہوئے اور شمالی امریکہ میں ۱۷۶۳ء میں مسلح ہو کر فنک رہے۔ اسی طرح ۸۳-۱۷۷۶ میں بھی انھوں نے اس لڑائی میں یارک ٹاؤن کے ہتھیار ڈالنے کے وقت تک حصہ لیا۔ ۱۷۸۲ء میں یہ ہندوستان آگئے۔ ۱۷۹۰ء میں یہ بمبئی کے گورنر و کمانڈر انچیف بنا دیے گئے۔ ۱۷۹۰ء میں انھیں میجر جنرل کا عہدہ ملا۔ ملابار کی لڑائی کے بعد ۱۷۹۲ء میں انھوں نے لارڈ کارنوالس کے ساتھ مل کر سرنگاپٹم پر ٹیپو سلطان کو شکست دی۔ اکتوبر ۱۷۹۳ء میں لارڈ کارنوالس کی جگہ ان کو کمانڈر انچیف مقرر کیا گیا۔ ساتھ ہی ساتھ انھیں سپریم کاؤنسل کا ممبر بھی نامزد کیا گیا۔ اور یہ اس پر فروری ۱۷۹۷ء تک کام کرتے رہے۔ ۱۷۹۴ء میں انھوں نے روہیلوں کو باٹنا کے مقام پر شکست دی۔ لفٹننٹ جنرل کا عہدہ انھیں ۱۷۹۶ء میں ملا۔ ۱۷۹۸ء میں کلکمینن کا ؤنٹی Clackmannan county سے ممبر پارلیمنٹ ہوئے۔ اور ۱۸۰۱ء میں ایڈنبرا کاسل کے گورنر مقرر ہوئے۔ اس کے ایک سال بعد انھیں جنرل کا خطاب ملا۔ نومبر ۱۸۲۷ء میں ان کا انتقال ہوا۔

(C.P.C, Vol IX, P 208)

اس کی تفصیل یہ ہے کہ اسی زمانہ میں فیض اللہ خاں ولد محمد علی روہیلہ نے حافظ رحمت خاں کے قتل کے بعد بارہ لاکھ روپیہ کی جاگیر پائی۔ تھوڑے ہی عرصہ میں خوش سلیقگی اور انتظام کارکردگی کے باعث اس ملک کی آمدنی تین گنی ہوگئی اور اس نے اپنی تمام قوم کو اکٹھا کر کے قوت حاصل کرلی۔ اس کا بڑا بیٹا محمد علی خاں[1] وزیر کے حکم سے جانشین ہوا لیکن چند ہی دنوں میں اس کی بد زبانی اور کم ہمتی کی وجہ سے اس قوم کے سرداروں کی طبیعتیں اس سے متنفر ہوگئیں۔ غلام محمد (جو اس کا چھوٹا بھائی و فوج کا سردار تھا بیشتر اچھی صنعتوں سے آراستہ تھا) کو قتل کر دیا۔ اس کے دل میں یہ بات تھی کہ جیسا کہ صوبہ کے زمینداروں میں رائج تھا ان میں سے جو باقی رہے گا وہ وزیر کو مالگذاری دے گا اور اس سے باز پرس نہ ہوگی اس طرح اس میں وزیر دخل اندازی نہ کرسکے گا دیرے لئے بھی اس طرف سے کوئی باز پرس نہ ہوگی۔ لیکن چونکہ روہیلوں کا اجتماع فیض اللہ خاں کے وقت سے انگریزوں کو گراں گزر رہا تھا اور فیض اللہ خاں کی تجربہ کاری کے سبب سے کوئی بہانہ ان کے ہاتھ نہیں آتا تھا اس لئے اس وقت گورنر سر جان شور نے اس جماعت کا استیصال مناسب جانا اور جنرل (ایبر کرامبی) کو اس معاملہ کے لئے لکھا۔ نواب وزیر نے اپنے شکار کا زمانہ قریب ہونے کا بہانہ کر کے عذر پیش کئے اور غلام محمد کے معاملہ میں دیر کرنے کے لئے بہانے تلاش کئے۔ آخر میں جنرل کے اصرار پر مجبور ہو کر وزیر لڑائی پر آمادہ ہوا اور اپنی فوج کے ساتھ جنرل کی کمپنی کے دو منزل پیچھے گیا۔ غلام محمد کہ جس نے اس وقت تک مسٹر چیری کے فریب کی وجہ سے کوئی نامناسب حرکت نہیں کی تھی مایوس ہوا اور بریلی سے اس طرف انگریزی لشکر سے پانچ کوس کے فاصلہ پر پہنچا۔ دوسرے دن سخت جنگ کر کے وہ رام پور کی طرف بھاگ گیا اور قبائل کو ساتھ لیکر

---

[1] نواب محمد علی خاں اپنے والد کی جگہ ۱۲۰۸ھ میں ریاست رام پور کے مسند پر بیٹھا۔ لیکن تھوڑے ہی عرصہ کے بعد نواب غلام محمد خاں نے اس کو ہٹا کر ڈنگارپور کے قلعہ میں قید کر دیا۔ آخر میں اس کا سوتے میں انتقال ہوگیا۔

C.P.C Y&l

رہڑہ کی طرف پہاڑ میں قلعہ بند ہو گیا۔ بعض انگریز افسروں کی سستی اور روہیلوں کی انتہائی بہادری کی وجہ سے قریب تھا کہ انگریزی فوج نقصان اٹھا جائے لیکن جنرل قلب فوج میں کھڑا تھا اور شکست کے باوجود اپنے قابل اعتماد لوگوں و سپاہیوں کو جمع کر کے متواتر توپوں سے گولہ باری کر رہا تھا۔ اس نے روہیلوں کے آگے بڑھنے والوں کو جو کہ فتح کے غرور میں مقتولین کی لوٹ کھسوٹ میں مشغول تھے اور بھاگنے والے سپاہیوں کو توپ کا نشانہ بنایا۔ تقریباً ایک ہزار ہندوستانی سپاہی، سو گورے و اس طرف کے دس بارہ سردار اور اسی قدر روہیلوں کے جن میں بخو خاں اور عمر خاں کا دوسرا بیٹا بھی تھا قتل ہو گئے۔ اتفاقات میں سے ایک جو اس معاملہ میں سامنے آیا وہ یہ تھا کہ روہیلوں نے انتہائی حماقت سے جنگ کرنے میں جلدی کی کیونکہ اگر وزیر کے لشکر کے پہنچ جانے کے بعد یہ حملہ کرتے تو اتنا نقصان ہو جاتا کہ انگریزوں سے اس کا تدارک ممکن نہ ہوتا۔ مختصر یہ کہ اس معرکے کی فتح کے بعد وزیر خود جنرل کے لشکر میں پہنچا اس کے عقب میں چلا اور رہڑہ میں پڑاؤ ڈال کر اس کا محاصرہ شروع کیا۔ باوجود اس شکست کے روہیلے اسی طرح جنگ میں جوش رکھتے ہیں۔ غلام محمد انگریزی فوج کی شان و شوکت دیکھ کر اپنی حفاظت کا وعدہ لے کر سوال و جواب کی غرض سے آیا لیکن واپسی کی اجازت نہیں پائی اور نصر اللہ خاں کو جو غلام محمد کا نائب تھا مسٹر چیری نے اپنی طرف ملا لیا۔ روہیلے مجبور ہو گئے اور ڈیڑھ مہینہ کے بعد مصالحت پر رضامند ہوئے اور تقریباً پچاس لاکھ روپیہ نقد و ان کا آدھا ملک وزیر کے قبضہ میں آیا۔ اس میں سے بارہ لاکھ روپیہ انگریز مقتولوں اور زخمیوں کے لئے بطور خون بہا دیا گیا۔ محمد علی خاں کا چھوٹا بیٹا مالک اور نصر اللہ خاں اس کا نائب مقرر ہوا۔ عمر خاں و دیگر روہیلہ سرداروں (جو اس فتنہ کی جڑ تھے) نے واپسی اور رامپور میں سکونت کی اجازت پائی وہاں کی سزا زمانہ کے سپرد ہوئی کہ جو سب سے بڑا سزا دینے والا ہے۔ غلام محمد (جو ہنگامہ میں قید ہو کر چنارہ کے قلعہ میں پہنچا تھا) کے خرچ کے لئے ڈیڑھ ہزار روپیہ روہیلوں کے حصہ میں سے مقرر ہوا۔ غلام محمد نے اس رقم کو اپنی بیوی اور بچوں کے نام منتقل

کر دیا وخود فریضۂ حج ادا کرنے کے بہانہ کمپنی کے علاقہ سے باہر چلا گیا۔ سنا جاتا ہے کہ وہ حج کرنے کے بعد مسقط آیا اور وہاں سے بجے نگر گیا۔ آج کل وہ زماں شاہ کی ملازمت کی امید میں ہے کہ شاید اس سے مدد حاصل کر سکے۔

اس معاملہ میں چند موقعوں پر مسٹر چیری سے کارگذاری اور امانت داری ظاہر ہوئی، اور اس کے حقوق وزیر پر ثابت ہوئے۔ اس نے انھیں یقین دلایا تھا کہ یہ فریب وزیر کی طرف سے ہے اور انگریزوں نے مجبوراً اس کے حکم پر کمر باندھی ہے لیکن جب بھی کمپنی کے اہلکار اختیار پائیں گے وزیر کو اس ارادہ سے باز رکھیں گے۔ اس تدبیر کا نتیجہ ہے کہ انھوں نے امید اور حرکت نہیں کی۔ حالانکہ ان کی تھوڑی سی حرکت سے بریلی کا تمام ملک فتح ہو جاتا اور پچاس ساٹھ توپیں و لڑائی کا بہت سامان ان کے ہاتھ آتا۔ وہ چند ہزار سکھ سوار اپنی مدد کے لئے طلب کر سکتے تھے اور یہ جنگ وزیر کے ملک میں واقع ہوتی و تمام کام دشواری سے انجام پاتے۔ دوسری چیز غلام محمد کا بات چیت کے واسطے آنا اور نصر اللہ خاں کا اپنی قوم کے ساتھ نفاق ہے کہ وہ بھی سہولیت کا سبب ہوا۔ تیسری چیز مفتوحہ علاقہ کا مال غنیمت بغیر حیلہ بہانہ کے وزیر کی سرکار میں پہنچانا۔ اس کے علاوہ روہیلوں کے معاملہ کا فیصلہ اس طریقہ پر کرنا کہ کمپنی اور وزیر کی حکومت کے لئے اچھا اور ان لوگوں کے لئے برا ہوا۔ اس وقت روہیلے اپنی حالت کی درستی کی شرط پر مسٹر چیری کو آٹھ لاکھ روپیہ دینا چاہتے تھے لیکن اس نے کوئی توجہ نہیں کی۔ جھاؤ لال نے بھی جھگڑے کے شروع میں مسٹر چیری کو تقریباً دس لاکھ روپیہ دینے کا وعدہ اس شرط پر کیا کہ اس سے کوئی اختلاف نہ کرے لیکن مسٹر چیری نے اس موقعہ پر بھی دونوں حکومتوں کی خیر خواہی اور امانت داری کا خیال رکھا اور اس کے باوجود وزیر کی ناقدری سے جو کچھ ہوا ہوا

وقائع ۱۲۱۰ ہجری

مطابق ۹۶-۱۷۹۵ عیسوی

اس سال ٹکیت رائے معزول ہوا اور جھاؤلال بغیر خلعت و شہرت کے نیابت کے عہدہ پر مقرر ہوا۔ اس کی تفصیل یہ ہے کہ چونکہ ٹکیت رائے ایک معمولی اور بے لیاقت آدمی تھا اور اس کے علاوہ خوشرو جوانوں کی معاشرت کو بہت زیادہ پسند کرتا تھا اس وجہ سے اس کا رعب لوگوں کے دلوں میں نہیں قائم ہوا۔ بد دیانتی، سرکشی اور لالچ جو لوگوں میں پہلے سے رائج تھیں اور بھی بڑھ گئیں اور کام کرنے والے خلیع العذار ہو گئے۔ اس کے ساتھی ان عادتوں میں اس سے بھی آگے بڑھ گئے اور ہر شخص نے اس معاملہ میں اپنا ایک خاص طریقہ اختیار کیا۔ ٹکیت رائے نے بہت سے دیہات اور زمین و خوراک برہمنوں کے لئے مقرر کی۔ اس کے علاوہ ہر مہینہ ہزاروں روپیہ ان جوانوں پر خرچ کرتا تھا۔ بجناتھ اور دھنپت رائے نے سود کے نام پر لاکھوں روپیہ محالات کی آمدنی چھپا کر جمع کر لئے۔ وہ دربار کا خرچ سود پر چلاتے اور انگریزوں کے نام پر تمسک حاصل کرتے۔ خود وہ اور اکثر شہر کے مہاجن نفع میں شریک ہیں۔ یہاں تک کہ تیس لاکھ روپیہ سالانہ سود کی رقم خرچ کے لئے مقرر ہوئی۔ بلاس رائے اور نرمل داس نے متعلقہ محالات کی آمدنی کو بیجا طریقہ سے صرف کیا۔ اس کے علاوہ سوائے نرمل داس کے جو کہ ایک معقول اور سنجیدہ آدمی ہے یہ سب لوگ اپنی بدزبانی اور فضول گوئی کی خصلت سے لوگوں کو تکلیف پہنچاتے ہیں اور یہ برا سلوک نہ صرف غریبوں بلکہ معزز لوگوں کے ساتھ بھی کیا جانے لگا۔ چنانچہ وزیر اور مسٹر چیری کے ملازم اپنی قسط وصول کرنے کے لئے بیس دن تک خزانہ میں دوڑتے رہے اور ان لوگوں کی نامناسب باتیں سنیں۔ اس کی خبر وزیر اور مسٹر چیری کو ہوئی۔ ٹکیت رائے نے معذرت کی لیکن پھر بھی کوئی فائدہ نہ ہوا یہاں تک کہ بجناتھ

اور بلاس رائے کے بیچ میں نفاق بڑھ گیا۔ جھاؤ لال کو بالک رام کے ذریعہ سے سب راز معلوم ہو گئے کیونکہ وہ بلاس رائے کا دوست تھا۔ بجناتھ اور دھنپت رائے نے سارا ملک قرضہ کے عوض میں لے لیا اور وزیر و انگریزوں کی قسطیں اور دربار کے تمام اخراجات ادا کرنے میں تاخیر کی۔ ہلکیت رائے نے اس معاملہ کی روک تھام ضروری سمجھی اور گورنر سرجان شور کے پاس پیغام بھیجا۔ اس کو بتلایا کہ اس کا سبب صرف وزیر کی فضول خرچی ہے اس کے علاوہ اس نے ایک درخواست نصیحت کے طور سے وزیر کے نام اور ایک خط مسٹر چیری کے نام وزیر کے خرچ کو کم کرنے کے لئے کاؤنسل کی طرف سے لکھنے کی درخواست کی۔ گورنر نے اس کی درخواست کے مطابق عمل کیا۔ مسٹر چیری نے اس کام کے نقشے کے مطابق اس سے پوچھ گچھ کی۔ ہلکیت رائے کا مقصد اس بات سے اسی قدر تھا کہ وزیر اور اس کے ملازموں کے اخراجات میں سے کم کر کے سالانہ سود میں دیا جائے۔ اور اپنے ساتھیوں کی فضول خرچی کو خیال میں نہیں رکھا۔ مسٹر چیری کو مناسب جواب نہیں ملا اس لیے اس نے ارادہ کیا کہ ٹکیت رائے کی درخواست کے ذریعہ کہ جو وزیر کے خرچ میں کمی کے لئے گورنر کو دی گئی ہے اس کے اور انگریزوں کے بیچ میں جھگڑا ڈال کر خرچ کے انتظام بلکہ وزیر کی جائداد ی آمدنی اس طرح حاصل کرے کہ حسن رضا خاں بخشی۔ مہاراج خزانچی، ایک نائب اور خود وزیر سب کاموں کا نگراں ہو۔ چونکہ وزیر کا سب کاموں کی طرف توجہ کرنا غیر ممکن تھا اس لئے اس نے خیال کیا کہ وہ کام میرے سپرد ہو جائے۔ باقی سب برائے نام ہوں گے اور تمام کاموں کا دار و مدار میرے اشارہ پر ہو گا۔ اس وقت بعض عقلمندوں نے اس سے کہا کہ وزیر کو تقویت پہنچانا مناسب نہیں ہے لیکن ان دونوں آدمیوں کے بیچ میں پھوٹ ڈالنا بہت اچھا ہے۔ جب ٹکیت رائے کو سوائے اس طرف کے کوئی پناہ کی جگہ باقی نہیں رہے گی تو وہ فرمانبرداری اختیار کرے گا اور بغیر رکاوٹ کاموں میں دخل ممکن ہو سکے گا۔ اس وقت آہستہ آہستہ ہر کام کا انتظام کیا جا سکے گا۔ یہ مشورہ ٹھیک تھا لیکن مسٹر چیری وزیر کی حماقت کی بنا پر اس

کے طرفدار تھے اور انھوں نے کاؤنسل سے اس راستہ کے اختیار کرنے کے لئے زور دیا باوجود اس کے کہ مسٹر کوپر نے اس رائے کی مخالفت کی خدا جانتا ہے کہ کس مصلحت سے گورنر نے اس کی اجازت دی۔ جھاؤلال اور بھیراج نے وزیر کو مشورہ دیا کہ بالفعل مسٹر چیری کا دل خوش کر کے اس کی مدد سے ٹکیت رائے کو معزول کر دیا جائے اور کاموں کے اختیارات اپنے ہاتھ میں لے کر مسٹر چیری کی امیدوں کو منقطع کر دینا چاہیئے۔

جاننا چاہیئے کہ جن سب لوگوں نے اس وقت ٹکیت رائے کو معزول کرنے میں مسٹر چیری کی مدد کی ان میں سے ہر ایک کے دل میں ایک مقصد تھا جو کہ دوسرے کے ارادہ کی کاٹ کرتا تھا۔ چنانچہ جھاؤلال وزیر کی قربت کے باعث نیابت کا عہدہ اپنے لئے چاہتا تھا اور بھیراج کا یہ خیال تھا کہ چونکہ وزیر مسٹر چیری کے دخل کی وجہ سے ٹکیت رائے سے خوش نہیں ہوگا اس لئے وہ کام تفضل حسین خاں کو ملے گا۔ حسن رضا خاں و مرزا جعفر جانتے ہیں کہ بخشی گری کے نام سے نیابت کا کام انجام دیں گے اور وہ مسٹر چیری کے اس مقصد سے غافل تھے کہ اس نے یہ نقشہ ان کے مقصد کے حصول کے لئے نہیں بنایا ہے۔ چنانچہ اگر مسٹر چیری کی باتیں جھاؤلال کو پہلے سے معلوم ہو جاتیں تو اس کے بعد اس کو ان دونوں اور بھیراج کے ساتھ ناکام ہونا پڑتا۔ اس زمانہ میں ان لوگوں نے اپنے کام کو فروغ دینے کے لئے جھاؤلال کے کام کو بے رونق کرنا چاہا۔

غرضکہ ٹکیت رائے کی معزولی اور مسٹر چیری کا مقصد ظاہر ہونے کے بعد بھیراج تفضل حسین خاں کے تقرر کی امید اور خزانہ پر اپنے قبضہ کے ارادہ سے کہ جو اس کے مدنظر تھا مایوس ہو گیا اور مجبوراً جھاؤلال کو تقویت دینا شروع کی۔ حسن رضا خاں نے کوئی مفر کا راستہ نہ پایا و اسی طرح مسٹر چیری کے ساتھ رہا۔ جھاؤلال کہ جس کے دل میں بھیراج اور تفضل حسین خاں کی شکست کا غم تھا اس وقت مصلحت کے تقاضہ سے اسی طرف ہو گیا و مدت تک مسٹر چیری کو امیدوار بنائے رکھا۔ اور پھر آہستہ آہستہ بے پردہ ہونا شروع ہوا۔ اس کے

بعد مسٹر چیری نے اپنے منصوبوں کے بارہ میں بتایا تو وزیر نے کہا "میں اپنی جگہ پر قائم رہ کر اپنی حکومت کے کاموں کی نگرانی خود کرتا ہوں۔ جھاؤ لال ہی کے ذریعہ میرے احکام صادر ہوتے ہیں۔ اگر کسی خاص کام میں ضرورت پڑی تو البتہ تم سے مشورہ کروں گا۔" مسٹر چیری اس وقت حالات سے خبردار ہوئے اور مجبور ہو کر تکیت رائے کی طرفداری کا ارادہ کیا۔ اب کچھ لوگوں نے مسٹر چیری کے کان میں یہ بات ڈالی کہ یہ ایک احمقانہ اقدام ہے۔ نیز یہ کہ وہ مہاجنوں کے دعوؤں کو سامنے لائے جن کے ادا کرنے کے سلسلہ میں انگریزوں کو بدنام کیا جاتا تھا۔ اس کے علاوہ وزیر سے ان کو پورا کرنے کے لئے کہا جائے کیونکہ یہ امید تھی کہ یہ سارے دعوے ایک دم سے نہیں چکائے جا سکتے اس طرح تکیت رائے کا دیوان کے عہدہ پر رہنا لازمی ہو گا۔ میں نے اس جھگڑے کے شروع ہی میں مسٹر چیری کو بتا دیا تھا کہ اس کے سامنے اس قسم کا پہلا معاملہ ہے جبکہ میں نے اس سے قبل دو تین اور اسی طرح کے معاملے دیکھے ہیں۔ یہ بات مجھے اچھی طرح معلوم ہے کہ وزیر، جھاؤ لال اور بھیراج تمہارے خیالات سے اتفاق نہیں کریں گے۔ اس وقت وزیر کی غرض تم سے وابستہ ہے اس لئے مناسب یہ ہے کہ دو تین آدمیوں کو جو وفاداری اور تجربہ میں مشہور ہوں وزیر کے کاموں میں لگا کر ان کے ذریعہ سے اپنا مطلب حاصل کرنا شروع کرو اور معاملات کو ان کے وعدوں پر موقوف نہ رکھ چھوڑو۔ مسٹر چیری نے جواب میں کہا کہ مرہٹہ قوم کے لوگ مکاری اور چالبازی میں مشہور ہیں۔ میں نے ان سے معاملت کر لی ہے۔ ان لوگوں کا معاملہ کہ جو کسی شمار میں نہیں ہیں مجھ پر چھوڑنا چاہیئے اور تماشا دیکھنا چاہیئے کہ کیا ہوتا ہے بعد اس کے میں وزیر کو خوش کرنے کے لئے جو کوشش کر رہا ہوں اس کے نتیجہ سے اختیارات میرے ہاتھ میں آجائیں گے اور جو کام مجھے پسند ہے وہی عمل میں آئے گا۔ غرضکہ مسٹر چیری نے تکیت رائے کے تین سال کے کاغذات دیکھ کر وزیر سے کہا کہ ان کو دیکھنے سے تکیت رائے کی خدمت ظاہر ہوتی ہے اور اس کی بددیانتی کا گمان غلط معلوم ہوتا ہے۔ مناسب یہ ہے کہ دیوانی اس کو اور بخشی گری

حسن رضا خاں کو دی جائے۔ وجھاؤ لال اپنے پرانے کام پر مقرر ہو۔ وزیر نے جواب دیا کہ
نکیت رائے کی بد دیانتی کا گمان جو تمہارے کہنے کے مطابق غلط ثابت ہوا ہے اس کے
جعلی کاغذات پر تمہارے سرسری نظر ڈالنے سے کس طرح دور ہو سکتا ہے اور اس کو
ان شرائط پر علیحدہ کیا گیا ہے کہ دوسری بار اس کو تقویت پہنچانے کی کوشش اس طرف سے
نہ ہو۔ اس بنا پر مسٹر چیری اور نواب وزیر کے درمیان اختلاف کی بات چیت بڑھ گئی اور
ایک دوسرے کی برہمی کا سبب ہوئی۔ چونکہ بغیر سختی اور ڈرانے کے وزیر کی اصلاح ناممکن
تھی۔ اور اس جھگڑے میں مسٹر چیری کا وزیر کے سامنے رہنا ممکن نہ تھا لہذا گورنر نے مسٹر
چیری کو علیحدہ کر دیا اور مسٹر لمسڈن کو جو کہ بنارس میں ایجنٹ تھا اس کام پر مقرر کیا و
وزیر کو لکھا کہ میں نے مسٹر چیری کو تمہارے مرتبہ کی حفاظت کے خیال سے علیحدہ کر دیا
ہے اور اس بات کی امید کرتا ہوں کہ جھاؤ لال کو جو فسادی ہے نیابت کے کام میں داخل
نہ کریں۔ وزیر اور جھاؤ لال نے اس بات کو گورنر کی کمزوری سمجھ کر ظاہر میں موافقت کی و
اندر اندر اس کے خلاف کرنا شروع کیا۔ معلوم ہونا چاہیئے کہ یہ کش مکش کہ جو وزیر نے اس
معاملہ میں مسٹر چیری کے ساتھ کی یہ اس لغویت کی وجہ سے تھی کہ جو بچھراج نے تفضل حسین
خاں اور اپنے گماشتہ شنبھوناتھ کے ذریعہ نواب وزیر کو سکھائی تھی اور جھوٹی باتیں بنا کر گورنر
کے مزاج اور انگریزوں کے عہدہ داروں سے مقصد حاصل کرنے کی امید دلائی تھی ورنہ
وزیر میں اس وقت مسٹر چیری کی مخالفت کی اتنی جرأت نہ تھی اور جھگڑا اتنا طول نہیں کھینچ
سکتا تھا۔ عجیب بات یہ تھی کہ مسٹر چیری کی معزولی اور مقصد میں کامیابی کے بعد نیابت
کا خیال بچھراج کے دماغ میں پیدا ہوا۔ اس نے جھاؤ لال کے ساتھ خلوص کا برتاؤ رکھا اور
تفضل حسین خاں کے ساتھ کہ جنھوں نے پندرہ سال اس کی حمایت میں وقت گذارا تھا
نفاق کا راستہ اختیار کیا اور باوجود ان سب شعبدہ بازیوں کے اس وقت تمام آفتوں سے
محفوظ فراغت سے زندگی بسر کر رہا تھا۔

اسی سال برہان الملک مرحوم کی بیٹی عالیہ کا انتقال ہوا. وہ ایک باوقار عصمت مآب دیانت و بارعب خاتون تھیں ۔ انھوں نے ساری زندگی عزت و عظمت کے ساتھ گذاری ۔ اُن کی پیدائش سے پہلے نواب برہان الملک بڑی تنگ حالی سے زندگی گذارتے تھے. ان کے پیدا ہوتے ہی حکومت اور دولت کے مقدمات تقدیر کے نہاں خانہ سے ظاہر ہونے لگے اور ترقی کے آسمان سے حقیقی زینت اور لطف کی ہوا چلنے لگی. جس وقت نواب صفدر جنگ کے احمد خاں بنگش سے شکست کھانے کے وقت نواب عالیہ شاہجہاں آباد میں تھیں. اس وقت جاوید خاں مدارالمہام نے ارادہ کیا کہ ان سے بے ادبی کرے ۔ بیگم مع اپنے ملازمین کے مقابلہ پر آمادہ ہوئی اور اس کے لالچ کے دانتوں کو اکھاڑنے کا سبب ہوگئی. صفدر جنگ کے پہنچنے کے بعد اپنے خزانوں کو اس پر نچھاور کر دیا اور اپنے شوہر کے تمام ملازمین کو خلعت و دولت اور لڑائی کے سامان دیئے ۔ اس کے بعد یہ مفلس ہوگئیں اور اپنے بیٹے کے پورے عہد میں پچاس ہزار سالانہ کی جاگیر پر جو بادشاہ کی دی ہوئی تھی قناعت کی اور اس کے ملک و خزانہ میں کوئی لالچ نہیں کیا. ہر چند کہ نواب مرحوم نے ان کی خدمت کرنا چاہی مگر کوئی فائدہ نہ ہوا. اس بنا پر ان کے انتقال کے بعد نقد اور جنس میں سے دس پندرہ لاکھ سے زیادہ باقی نہیں بچا جو اپنے خرچ سے بچا کر سفر حج کے لئے رکھا تھا لیکن وزیر نے اس خیال سے کہ ان کا ترکہ بہت ہوگا بیگم کے ملازمین کو بہت تکلیفیں دیں. چنانچہ چالیس دن تک انتقال کی جگہ پر بیٹھنے کی رسم کو جو ہندوستان کی عورتوں میں رائج ہے بیگم کے تعزیت کرنے والوں کو انجام نہیں دینے دی اور نواب صفدر جنگ، محرم علی خاں اور مطبوع علی خاں کی معمر لاناؤں کو جن میں سے ہر ایک ساٹھ ستر سال کی تھیں کہ جو انتہائی عزت کے ساتھ رہتی تھیں اور نواب مرحوم ان کے سامنے مؤدب رہتے تھے، ان کو اسی ہفتہ اس گھر سے باہر نکال کر ان کے پیروں میں زنجیریں پہنائیں و فیض آباد کی گلیوں میں گھمایا اور محض وہم کی بنا پر بہت مظالم کئے جب اس طرح کوئی نتیجہ نہیں نکلا. تو اسی طرح ان کو لکھنؤ لائے اور آخر کار ان سب کا مال و

اسباب وضبط کر لیا۔ یہ برا کام ہر شخص کی نفرت کا باعث ہوا اور نیکنامی کے ذخیرہ سے سوائے اس چیز کے کہ جو پہلے سے معلوم تھی کچھ حاصل نہ ہوا۔

اس سال کے دوسرے واقعات میں جنرل موصوف کا کانپور آنا ہے۔ اس کی تفصیل یہ ہے کہ کمپنی کے عہدہ داروں نے اپنے عہدہ اور مقاصد حاصل کرنے کے لئے کلکتہ کی کاؤنسل میں بات چیت کی تھی اور جنرل اس کی صحت کے لئے ڈاک کی سواری سے اس جگہ آئے تھے۔ وزیر نے جھاؤلال کو وزیر علی کی ہمراہی کے بہانہ جنرل کے استقبال اور مہمان داری کے لئے کانپور بھیجا۔ اور اس سے لکھنؤ آنے کی درخواست کی۔ جنرل اپنے کام سے فراغت کے بعد مسٹر چیری کے جھگڑوں کے عین زمانہ میں لکھنؤ آیا اور ہدایات و نصیحتیں کر کے فوراً ہی کلکتہ روانہ ہو گیا۔

وقائع ۱۲۱۱ ہجری

مطابق ۷-۱۷۹۶ عیسوی

اس سال محرم کے شروع میں مسٹر چیری لکھنؤ سے بنارس روانہ ہوئے اور مسٹر لمسڈن پہلے دنوں کی طرح اس شہر میں ٹھہرے رہے۔ جھاؤلال کے اقبال کا ستارہ مرتبۂ کمال کو پہنچا۔ غلام قادر خاں (جو کمپنی کا ملازم اور مسٹر لمسڈن کی ناک کا بال تھا) جھاؤلال کے بناوٹی سلوک کے باعث فتنہ کے اس کانٹے کی طرف سے مطمئن ہو گیا جو اس کے دل میں تھا۔

میں نے اس زمانہ میں لکھنؤ کا قیام مناسب نہ سمجھ کر مسٹر چیری کی ہمراہی اختیار کی اور چونکہ برسات بنارس میں گذار کر کلکتہ روانہ ہوا۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ جھاؤلال نے ان جھگڑوں میں بالواسطہ اور بلاواسطہ اس بات کی فکر کی کہ میں اس کی مدد کروں و مسٹر چیری کی رفاقت ترک کر دوں۔ جب یہ مقصد حاصل نہ ہوا تو دشمنی پر آمادہ ہوا اور مجھ اس بات کا پورا خیال تھا کہ

وہ کوئی حیلہ تراش کر کے مجھے اذیت پہنچائے گا۔ اسی زمانہ میں بریلی کے معاملات (جو بیجناتھ کے بھائی شنبھوناتھ سے متعلق تھے) آمدنی میں کمی کر کے الماس علی خاں کے حوالہ کر دیئے گئے اور نرمل داس کا علاقہ و بیسواڑہ نوازسنگھ اور مرزا مہدی کے درمیان بانٹ دیئے۔ مرزا مہدی کا مختصر حال یہ ہے کہ باوجود اس کے کہ ٹکیت رائے نے اس کو زمین سے آسمان تک پہنچا دیا تھا۔ وہ اسی کی نیابت کے زمانہ میں حسن رضا خاں سے متعلق ہو گیا تھا اور اس کی نیابت کے خلاف رائے ظاہر کی بلکہ ٹکیت رائے نے اسی سبب سے اس کو معزول کر کے غبن کے الزام میں ـــ قید کر دیا۔ تھوڑے عرصہ بعد کہ جب ٹکیت رائے کا معاملہ گڑبڑ ہوا تو وہ حسن رضا خاں سے قطع تعلق کر کے جھاؤلال سے وابستہ ہو گیا اور محض پانچ چھ لاکھ روپیہ ادا کر کے چھٹکارا پا گیا۔ اسی بنا پر رذیل لوگوں کی خوشامدیں کہ جو غیرت مندوں کے لئے شرم کا باعث ہیں اس کی عادت ہو گئی اور اب تفضل حسین خاں کے ساتھ اس تقریب سے کہ خاں موصوف کا لڑکا اس کے بھائی کا داماد ہے ربط پیدا کیا اور باوجود ان تباہیوں کے جو اس نے بریلی میں کی ہیں ملک کے انتظامات میں دخیل ہو گیا۔ وہ حسن رضا خاں جھاؤلال اور ٹکیت رائے تینوں کی بہت زیادہ بداندیشی کرتا تھا۔

غرض کہ اس زمانہ میں جھاؤلال نے جو کام وزیر کے لئے کیا وہ یہ تھا کہ پرانے لوگوں نواب مرحوم کے عزیزوں، فوج کے سرداروں، صفدرجنگ و نواب مرحوم کے اقربا، بھائیوں اور حرم کی عورتوں کے اخراجات بہت کم کر دیئے۔ و بعض کے بالکل بند کر دیئے۔ اور اس بچت کو وزیر کے خزانۂ خاص میں پہنچایا۔ ٹکیت رائے کے زمانہ کا انگریزوں کا قرضہ جو ڈیڑھ کروڑ کے قریب تھا واپس کیا۔ یہ اس طریقہ پر کیا کہ انگریزوں کے تمسک کے سود کو روک دیا اور چالیس لاکھ روپیہ وزیر سے لے کر نقد ادا کر دیا۔ شہر کے مہاجنوں کے قرضہ کو سات سال پر پھیلا کر اس کی ادائیگی کو جملہ ضروریات زندگی پر اولیت دینے کا یقین دلایا۔ بعض ان میں سے بعض ما س اسناد قرضہ نہیں تھیں[1]۔

[1] ہوئے نے "اسنادے نداشت" مستاورگی داشتند" پڑھ لیا ہے۔

جب اس معاملہ میں سوال و جواب کا کام راجہ جھرا کے سپرد ہوا تو اس نے اپنے حساب کو سمجھا اور اس تقسیم کو قبول کر لیا۔ لیکن اس نے وزیر کے عملہ اور نکیت رائے کے متوسلین کی لوٹ کھسوٹ کو جو کہ اس کے عزیزوں اور متوسلوں سے ملے ہوئے تھے کچھ توجہ نہیں کی بلکہ وہ طریقہ پہلے سے کچھ اور زیادہ ہو گیا اور جتنی نقاب ملک پر اس سے پہلے زمانہ میں پڑی ہوئی تھی وہ سایہ کی طرح ہٹ گئی۔

معلوم ہونا چاہیئے کہ یہ چیز کوئی نئی نہیں ہے۔ اس سے پہلے بھی جس شخص کو کسی کام پر مقرر کیا گیا وہ خدمت بطور جاگیر اس کو دیدی گئی۔ چنانچہ بالک رام (کہ جو ایک ہزار بارگیروں کا نگراں تھا) گھوڑوں کے دانہ، نعلبندی، ہر سال دو جوڑے کپڑے اور بارگیروں کی تنخواہ نکیت رائے سے پاتا تھا۔ باوجود اس کے سفر و حضر میں گھوڑے کھلی جگہ میں رہتے و سردی کھاتے اور اس وجہ سے ان میں سے بہت سے ضائع ہو جاتے۔ سال میں صرف دو بار سفر کے زمانہ میں ان کی نعلبندی کرائی جاتی تھی۔ دانہ بھی کئی دن کے بعد ایک مرتبہ دیا جاتا تھا۔ مہینہ میں بارگیروں کو نصف ہی تنخواہ دیتے تھے۔ اگر کوئی بارگیر ان کاموں کا ذکر دربار میں کرتا تو جھاؤ لال اس کو پاگل و خبطی قرار دے کر نوکری سے برطرف کر دیتا۔ وزیر کی فرمائشات کی تعمیل و اس کی مزاج داری اور دلدہی کی وجہ سے اس کو سر کھجلانے تک کی فرصت نہ تھی۔ چنانچہ دن نکلنے سے دو گھنٹہ پہلے ہی سے آدھے دن تک روزانہ اور پھر چار بجے دن سے دس بجے رات تک بلا توقف تعمیل حکم میں مصروف رہتا تھا۔ اگر اپنے گماشتوں پر اعتبار نہ کر کے ان کے کاموں میں متوجہ ہوتا تو اس کا اثر ہاتھ سے جاتا رہا۔ اس کی مثال یہ ہے کہ ایک دن الماس علی خاں نے اس سے یہ کہا کہ نواب صفدر جنگ ایک پورے صوبہ کا کام سنبھالنے کے باوجود معاملات طے کرنے میں دوپہر صرف کرتا تھا۔ تمہارے اوپر اتنا بڑا بار ہے اس لئے مناسب یہ ہے کہ وقت اور جگہ اپنے لئے مقرر کر لو۔ اس نے جواب دیا کہ صفدر جنگ کا حال معلوم نہیں ہے لیکن اتنا میں جانتا ہوں کہ ایک پرگنہ ہو یا ایک صوبہ یا دس صوبے سب کا کام برابر ہے۔ جو شخص کسی معاملہ کا ذکر مجھ سے

کرکے اس کے جواب میں صرف ہاں یا نہیں نہ کہنا چاہیئے اور اتنے کام کے لئے وقت اور جگہ کا تعین ضروری نہیں ہے۔ یہی سبب ہے کہ وزیر اس سے خوش ہے اور ہمیشہ اپنی زبان سے یہ کہتا ہے کہ حسن رضا خاں، حیدر بیگ اور ٹکیت رائے تینوں نمک حرام تھے، میرے گھر کو جھاؤلال نے درست کیا اور یہ اس کی عجیب غلط فہمی تھی۔

اس کے بعد وزیر اس موسم کے سفر کے لئے تیار ہوا۔ اس سفر میں اپنی رعایا اور انگریزوں پر یہ ظاہر کرنے کے لئے کہ اس نے جھاؤلال کو کتنی عزت کا مقام عطا کیا ہے۔ الٰہ آباد، کان پور اور فرخ آباد کا ارادہ کیا اور الٰہ آباد کے قلعہ کی عمارتوں کی مرمت کا حکم دیا کہ جنہیں خود ہی کچھ پتھر لکھنؤ لانے کی وجہ سے ویران کیا تھا وہاں سے کان پور آیا۔ اس جگہ کے سرداروں نے جھاؤلال کی پذیرائی نہیں کی اور وہ فرخ آباد چلا گیا۔ (وزیر نے) مظفر جنگ کے بڑے لڑکے کو معزول کرکے اس کے دوسرے لڑکے کی حمایت کی۔

اس کی تفصیل یہ ہے کہ مظفر جنگ (جو احمد خاں بنگش کا بیٹا تھا) ان دنوں میں مر گیا اور اس کا بڑا بیٹا جانشین ہوا۔ وزیر نے اس کو باپ کو زہر دینے کا الزام لگا کر معزول کر دیا۔ معلوم نہیں یہ بات غلط تھی یا سچ لیکن غالب گمان یہ ہے کہ یہ معاملہ بھی جھاؤلال کی تدبیروں میں سے ہوگا جو اس نے خداوند خاں کی مختاری کی غرض سے کیا۔ کیونکہ جھاؤلال گورنر کی طرف سے غیر مطمئن تھا اور ہمیشہ اپنے ہی آدمیوں کی فکر میں رہتا تھا۔ اسی طرح اس نے کالپی کے مرہٹوں کو دوست بنایا۔ وہ علی بہادر کی قوت کو ہمت بہادر سے قرابت کی وجہ سے کہ جس کی لڑکی جھاؤلال کے لڑکے سے تبادلہ کے طریقہ پر منسوب ہوئی تھی، اپنی ہی جانتا ہے۔ اس نے عمر خاں (جو غلام محمد کے فتنہ کا باعث تھا) کو رام پور سے بلا کر وزیر کی ملازمت پر مقرر کیا اور نصر اللہ خاں کی شکایت اس کی زبان سے ظاہر کرکے اس بات پر آمادہ ہوا کہ عمر خاں کے اختیارات کے ہاتھ رام پور میں پھیلائے۔ جب گورنر نے اس کے متعلق جواب طلب کیا تو ظاہر میں اس کو چھوڑا اور عمر خاں کو رخصت کر دیا اور جواب دیا کہ وزیر نے اس کو تلوار حاصل کرنے کے لئے بلایا

تھا لہٰذا اسی مصلحت سے خداوند خاں کی فرخ آباد میں نیابت چاہتا ہے چونکہ مظفر جنگ کے بڑے بیٹے کے موجود ہونے کی وجہ سے خاں مذکور کا اقتدار شمس آباد اور فرخ آباد کے افغانوں پر ناممکن تھا کیا تعجب یہ ہمت اسی نے اس کو دلائی ہو ؟

اسی زمانہ کے دوسرے واقعات میں سے ایک زماں شاہ ابدالی[1] کا لاہور آنا اور سکھوں کا پنجاب کے ملک کے چوہے کے بلوں میں گھس جانا ہے۔ کیونکہ خیال یہ تھا کہ شاہ ابدالی اپنے دادا کی طرح لاہور میں نہ ٹھہرے گا بلکہ لکھنؤ اور بنارس کو لوٹنے کے لئے آئے گا کیونکہ تباہ شدہ دہلی میں اس بھوکے گروہ کو آسودہ کرنے کے لئے کوئی چیز نظر میں نہیں تھی لہذا انگریز افسر مقابلے کے لئے متحد ہوئے۔ انھوں نے الہ آباد کے قلعہ کو پشت پناہ بنایا۔ یہ اس لئے کہ دریائے گنگا کا سنگم رسد کے لئے مفید تھا اور قنوج میں چھاؤنی بنائی۔ اس جگہ مسلسل جنگ کے ہتھیار اور امدادی فوجیں کلکتہ سے آنے لگیں اور انگریز ابدالی کے آنے کا انتظار کرنے لگے۔ لیکن شاہ ابدالی لاہور پر قبضہ کرنے کا ارادہ کئے ہوئے تھا۔ کچھ دنوں بعد اس کے بھائی محمود (جہات

---

[1] زماں شاہ ابدالی (درانی) احمد شاہ ابدالی (درانی) والی افغانستان کا پوتا تھا جس کا انتقال ۱۷۷۳ء میں ہوا۔ زماں شاہ کے والد کا نام تیمور شاہ تھا جس کا انتقال ۱۷۹۳ء میں ہوا۔ اس نے کابل میں اپنے دور حکومت میں بڑے مظالم کئے اور پاینده خاں کے ساتھ ناخوب سلوک کیا۔ خاں مذکور نے اس کو تخت حاصل کرنے میں بڑی مدد دی تھی پاینده خاں برکزئی سردار تھا۔ ۱۷۹۷ء میں اس نے لاہور پر حملہ کیا اور سکھوں کی طاقت کا [illegible] کے بعد اس نے [illegible] کو لکھا کہ وہ اس کے ساتھ دشمنوں کا صفایا کرنے میں مدد دے۔ وہ تک [illegible] زماں شاہ اپنے تخت کو خطرہ میں دیکھ کر افغانستان واپس گیا اور قندھار میں بہت سے برکزئی سرداروں کو قتل کر دیا۔ اس کے بھائی محمود مرزا نے برکزئی سرداروں کی مدد سے اس کو ۱۸۰۰ء میں شکست دے کر تخت سے اتار دیا۔ زماں شاہ کو اندھا کر دیا گیا اور یہ بھاگ کر لدھیانہ آیا۔ ایسٹ انڈیا کمپنی نے اس کے لئے ایک پنشن مقرر کی۔

(BUCKLAND - op cit, P 495)

کا گورنر تھا) کی بغاوت کی خبر سنی جو اس نے ایران کے بادشاہ محمد خاں کی تحریک پر کی تھی شاہ ابدالی بڑی تیزی سے کابل لوٹ گیا اور فوج کا ایک حصہ دریائے اٹک اور جہلم کے دو آبہ کے بیچ میں کہ جو پنجاب کا تہائی حصہ ہے چھوڑ دی۔ چنانچہ وہ لوگ اس ملک کو اپنے قبضہ میں رکھتے ہیں ادھر روس کی فوج نے ایران پر حملہ کا ارادہ کیا اور محمد خاں ان کے مقابلہ میں لگ گیا۔ سنا گیا ہے کہ محمود اور زماں شاہ کے درمیان صلح ہو گئی ہے اور جاڑے کے شروع میں وہ پھر لاہور آئے گا۔ لیکن قنوج میں انگریزوں کی جمع ہونے کی مصلحت نہیں معلوم ہوتی۔ یقیناً ان کے دل میں یہ بات رہی ہو گی کہ زماں شاہ کے دہلی پہنچنے کے بعد بریلی کے محالات کہ جو دریائے گنگا کے کنارے ہیں اور جہاں پانی کم ہے جم کر مقابلہ کریں گے ورنہ فوج کے قنوج میں رہنے سے لکھنؤ اور بنارس محفوظ نہیں رہیں گے کیونکہ جو کوئی لکھنؤ کا قصد کرے گا وہ آگرہ کے راستہ نہیں آئے گا کیونکہ اس کے لئے گنگا و جمنا دونوں پار کرنا ہوں گے بلکہ گنگا کو ہردوار میں پار کر کے غوص گڑھ اور رام پور کے روہیلوں کو جمع کرنے کے بعد بغیر رکاوٹ سیدھا لکھنؤ اور بنارس پہنچے گا۔ لکھنؤ کی حفاظت کے لئے بریلی کی طرف سے گنگا کے کنارے قدم جمانا چاہیئے۔ رام پور کے روہیلے بھی اس سبب سے اچانک کوئی مخالف حرکت نہ کر سکیں گے اور اس طرح سے گنگا پار کرنے والے گھاٹوں کی رکاوٹ اچھی طرح ممکن ہے۔ اس طرح دریائے گنگا اور اس پر واقع الہ آباد کے قلعہ کی نگرانی ہو سکے گی۔ اس لئے رسد میں رکاوٹ کا کوئی امکان نہ رہے گا۔

غرضکہ اسی زمانہ میں جب شاہ ابدالی کی آمد کی شہرت لوگوں کے کانوں کے پردے پھاڑ رہی تھی تو جھاؤ لال کے ابدالی کے ساتھ سازش کرنے کی خبر کلکتہ پہنچی۔ گورنر سر جان شور بے چین ہو گیا اور اس کے بارے میں اس سے زیادہ کارلی مناسب نہ جان کر تفضل حسین خاں کو اپنی ہمراہی کے لئے چنا وہ بنارس تک ڈاک کے ذریعہ اور وہاں سے تین چار اچھے سوار اور پیادہ فوج لے کر لکھنؤ کا رُخ کیا۔ وزیر اور جھاؤ لال (جو گورنر کا

ارادہ زماں شاہ کی جنگ کو روکنے کا سمجھ رہے تھے) سے جونپور جا کر اس کا استقبال کیا اور وہ ان کے ساتھ لکھنؤ لوٹے۔ رسمی بات چیت سے فراغت پانے اور گورنر سے اپنا صافہ اور ٹوپی بدلنے اور اس قسم کی رسوم کے بعد گورنر نے جھاؤلال کو معزول کرنے اور دوسرا نائب مقرر کرنے کی درخواست کی۔ وزیر نے حتی الامکان معذرت کی اور جب اس وقت سرکشی کی ہمت نہیں پائی تو جھاؤلال کو دربار میں آنے جانے سے منع کر دیا اور نیابت کا کام الماس خاں کے سپرد کیا اور دھوکا دینے اور بعض غرضوں کے حصول کے لیے تفضل حسین خاں کے نام کا بھی ذکر کیا۔ قبل اس کے کہ گورنر اس کی سند حاصل کرے پہر اور بعض دوسرا سامان الماس خاں کے سپرد کیا اور نیابت سونپنے کی نشانیاں اس کے متعلق ظاہر کیں۔ اس گرگ باراں دیدہ نے کہ جو باوجود اس کے کہ ہمیشہ اس کام کو قبول کرنے سے پناہ مانگتا تھا وزیر کے مکر کو سنبھالنے اور جھاؤلال کو باقی رکھنے کے لیے اس کو قبول کیا۔ وزیر کا مقصد یہ تھا کہ اگر یہ کام اس کو سونپا جاتا ہے تو اسی طرح انگریزوں سے خیریت کی صورت باقی رہے گی اور جھاؤلال کے عیب الماس خاں کی عدم توجہی کے سبب سے اس پر ظاہر نہیں ہوں گے۔ آہستہ آہستہ جھاؤلال کو دوسری مرتبہ مقرر کرنے کی صورت پیدا ہو سکے گی۔

لیکن کیونکہ گورنر نے جان لیا کہ الماس خاں کو نائب بنانا ایسا ہی ہے جیسے دنبہ کو بھیڑیے کے سپرد کرنا۔ لہٰذا اس کو قبول نہیں کیا اور تفضل حسین خاں کے لیے درخواست کی۔ چونکہ خود وزیر بھی اس کا نام لے چکا تھا اس لیے انکار نہ کر سکا۔ چار و ناچار اسے منظور کیا اور اس مثل کا مضمون صادق آیا کہ مکر کرنے والے کے مکر کا اثر مکار پر ہوتا ہے۔ گورنر نے اس کام کے طے ہونے اور سالانہ رقم میں چھ لاکھ اضافہ کرنے کے بعد نئے ترک سواروں کی کمپنی کی دیکھ بھال کی اور جھاؤلال کو عظیم آباد کی طرف نکال دیا۔ خود اپنے مستقر پر روانہ ہوا۔

وزیر نے گورنر کے رخصت ہونے کے بعد ہی بیجر یا مرد جو تفضل حسین خاں کی تقویت کے لئے ٹھہر گیا تھا) اور دیگر معزز انگریزوں کو ان مکانوں سے کہ جن میں گورنر کے آنے کے وقت ان کو خود ٹھہرایا تھا بڑی عجلت سے نکال دیا اور جب اس کے بعد اس کی وجہ پوچھی گئی تو معذرت کی۔ یہ تفضل حسین خاں کے ساتھ کبھی مخالفت اور کبھی مہربانی سے پیش آتا۔ اکثر آزادی اور رعایتوں کو کہ جو جھاؤلال کے عہد میں اس کی عادت میں داخل ہو گئی تھیں وہ ختم ہو گئیں اس لئے وہ در پردہ اس کی تبدیلی کی فکر میں رہتا۔ الماس خاں بھی اس ذلت کے باعث کہ جو نیابت کے تقرر کے معاملہ میں اس کو پہنچی تھی بداندیشی کی فکر میں ہے۔ دیکھئے اب پردۂ غیب سے کیا ظاہر ہوتا ہے۔ ؏

بہ بینیم با کردگار جہاں

دریں آشکارا چہ دارد نہاں

جاننا چاہیئے کہ جھاؤلال کا عظیم آباد میں ٹھہرنا نامناسب واقع ہوا اس لئے کہ وہ اس تمام تعظیم کے لائق نہ تھا بلکہ صلاح یہ تھی کہ اس کو بالکل نکال دیا جائے کیونکہ ایسے گئے گذروں پر اعتبار کرنا ریاست کا رعب دل سے دور کر دیتا ہے۔ الماس خاں (کے تقرر) کی تجویز نہ ماننا بھی مناسب ہے کیونکہ الماس خاں نے بیس ہزار سوار، پیادے اور ایک بڑا خزانہ غبن سے حاصل کیا ہے۔ ایسے شخص کو اور طاقت دینا حکمرانی کے طریقے کے خلاف ہے اس کے علاوہ وہ اتنا تباہی پھیلانے والا ہے۔ جو کہ علاقہ بھی اس کے سپرد کیا گیا بعض وجوہ سے اس کا کچھ انتظام تو کیا لیکن اسے بالکل تباہ و برباد کر دیا۔ چنانچہ اس کے علاقہ کی آمدنی کی کمی (جو تفصیل سے درج کی جاچکی ہے) کے دیکھنے سے یہ بات بخوبی واضح ہو جاتی ہے۔ اس وقت تک وہ دو مرتبہ بغاوت کر چکا ہے۔ ایک بار اپنی فوج، توپخانہ و خزانہ کے ساتھ اس نے چاہا تھا کہ افراسیاب خاں کے ساتھ مل جائے؛ اسی طرح دوبارہ کالپی کا ارادہ کیا یہاں تک کہ حیدر بیگ نے اس کے سب مطالبے ادا کر دیئے۔ ایک مرتبہ مسٹر جانسن

اور ایک بار مسٹر برسٹو اس کو فرماں بردار بنانے کے سلسلے میں معزول ہوئے۔ وہ زمانہ گذر گیا۔ جب یہ بری حرکتیں جو کہ اس وقت اس سے سنی جا رہی ہیں (یعنی ان لوگوں کی معمولی یہ اس کی اپنی اور وزیر کی اغراض حاصل کرنے کے لئے ہوتی ہوں گی لیکن تفضل حسین خاں کا تقرر ان کی انتہائی سوجھ بوجھ کے باعث اور اس خصوصیت کی وجہ سے جو کہ وہ وزیر کے اہلکاروں میں رکھتے ہیں معقول ہے۔ آپس کی بھلائی کے لئے اور انگریزوں کے درمیان ان سے بہتر نائب خیال میں نہیں لایا جا سکتا۔ لیکن اصل مقصد کہ جس سے مراد فوج اور ملک کا انتظام کرنا یا برے قاعدوں کا ہٹانا تا کہ جو لوگوں میں پھیل گئے ہیں یا وزیر کی حالت کی اصلاح ہونا ممکن ہے۔ خاں موصوف یا اس ملک کے کسی اور رہنے والے سے اس مقصد کی امید رکھنا ایسا ہی ہے۔ جیسے گھر کے صحن میں کھوئے ہوئے اونٹ کو گھر کی چھت پر ڈھونڈنا کیونکہ وہ امید سوائے اس صورت کے نہیں حاصل ہو سکتی کہ اس میں انگریزوں کی قوت شامل ہو۔ اور وہ ہر چیز (اس ملک کے تمام اہل کاروں اور سپاہیوں کے کاموں کی نگرانی کریں کیونکہ اگر وزیر اور اس کے اہل کاروں میں ذرا بھی ندامت کا جذبہ ہوتا یا وہ نصیحت پر عمل کرنے کا خیال رکھتے ہوتے تو یہ دس یا پندرہ سال کہ جب مسٹر جانسن اور مسٹر برسٹو کے بعد تمام کاموں کے اختیارات ان کے ہاتھ میں تھے تو کچھ انتظام ٹھیک کرتے۔ اب حال یہ ہے کہ ہر شخص اپنی غرضوں کی طرف کھنچ رہا ہے اور حالات کو اس جگہ پر پہنچا دیا ہے جو کہ آج سامنے ہیں۔ اب جو شخص نائب ہوگا وہ اگر اپنے کاموں کی بنیاد کمزوری اور سہولت پر رکھے گا تو اس کی بری عادتوں کی خرابیوں سے اس کے انتظام میں کوئی اثر نہ ڈال سکے گا۔ اگر وزیر کے ساتھ وہ ہر معاملہ میں جھگڑے پیدا کرے گا تو وزیر کی شکست سے نائب کے کاموں کی رونق بھی ختم ہو جائے گی۔ اگر بالفرض محال وزیر کے حال کی اصلاح کی یا اس کے نقصانات کو دور یا کم کیا تو چونکہ وہ شخص خود انسانی خواص کو اپنے سے دور نہیں کر سکتا ہے اس حالت میں کہ نہ وزیر دیکھ رہا ہے اور نہ انگریز تو کب تک اپنے عزیزوں سے پرہیز کر سکتا ہے۔

کیا کہنا اگر کوئی فرشتہ صفت آدمی مل جائے۔ فرض کیجئے ایک ایسا شخص مل بھی جائے تو اتنے زیادہ لوگوں کی حالت کو درست کرنے کی نیت اور لوج ،رعایا اور اہلکار جو کہ برسہا برس سے بے نظمی اور بری خصلتوں کو عادت بنائے ہوئے ہیں کیونکر اصلاح کر سکتے ہیں

ملک کے انتظام کا صحیح نقشہ اس بات میں ہے کہ وزیر کو ایک دفعہ اچھی طرح نصیحت کر کے اس کے اخراجات کو کم کرائیں تاکہ مختار ہوتے ہوئے حیدر بیگ کی طرح فوج اور سپاہیوں کے کام میں دخل نہ دے اور فسادیوں ولیڈروں کو وزیر کے اطراف سے دور رکھیں۔ انگریزوں میں سے ایک شخص (جس کو ملک کے انتظام کا تجربہ ہو، جو ہندوستان کے لوگوں سے محبت رکھتا ہو اور دونوں کا خیرخواہ ہو) کو مکمل مختار بنا کر لکھنؤ کے کام پر مقرر کریں تاکہ نائب، دیوان ، بخشی ، خزانچی اور سب ملازم اس کے فرمانبردار ہوں اور اس کی رہنمائی میں کاموں کی جانچ کر کے وزیر کے سامنے لے جائیں اور ان کو جاری کرائیں ۔ کچھ انگریزی افسر وزیر کی فوج کے معاملات کی دیکھ بھال کریں اور ان کو گھوڑے واسلحہ ماہ بماہ پہنچا کر ان سے کام لیں۔ سپاہیوں اور اہلکاروں میں سے جو شخص بھی اس نئے قانون میں خلل ڈالے یا اس کی خلاف ورزی کرے تو اسی وقت اس کو برخاست کر دیں تاکہ جو باقی رہ جائے وہ اپنے کام خیرخواہی کے ساتھ کرے اور جو فسادی ہو وہ درمیان سے ہٹ جائے ۔ سابق حکام ، اہل کار اور فوج کے اکثر افسروں کا نکال دینا ضروری ہے۔ کیونکہ ان میں غرور، فضول خرچی اور ہزاروں برائیاں ہیں ۔ اس وجہ سے وہ اطاعت وفرمانبرداری نہیں کر سکتے اور وہ فسادیوں اور اصلاح کرنے والوں کے درمیان سے پردہ نہیں ہٹائیں گے وقطعاً ان کی اصلاح ممکن نہیں ہے ۔ ان کے بجائے درمیانہ درجہ کے لوگوں اور غریبوں کو میدان میں لانا چاہیئے۔ اور مختلف کاموں پر مقرر کرنا چاہیئے کیونکہ یہ لوگ عزت اور زیادہ دولت کی خواہش میں احکامات کے مطابق صحیح طور سے عمل کریں گے ۔

رعایا کی اصلاح اس بات میں پوشیدہ ہے کہ غریبوں کی پرورش اور امیروں کی طاقت

تو ہر شخص کے لئے ایسی رقم مقرر کریں کہ جس کو آسانی سے ادا کر سکیں اور خود ہر وقت بے فکر رہیں۔ امانت دار حکام غریبوں اوسط درجے کے لوگوں میں سے مقرر کریں۔ آمدنی کا اختیار ان کے ہاتھ میں نہ دیں۔ وزیر کے ملک کے سب اطراف میں ایک فوجی چھاؤنی ہونا چاہیئے۔ تاکہ اس علاقہ کے فسادیوں کو کلکٹر کے احکام کے مطابق دفع کریں۔ بریلی کے قلعوں کے نیچے انگریزی فوج کی ایک چھاؤنی کا قیام ضروری ہے تاکہ روہیلے سر کھجلانے تک کی فرصت نہ پائیں۔ جو بہانہ بھی ہاتھ آئے اس سے اس علاقہ کے با اثر لوگوں کو اس ملک اور فوج سے نکالنا اور ان کو نیچا دکھانا زیادہ بہتر ہے تاکہ کچھ زمانہ گزر لے پردہ گمزدر ہو جائیں۔ یہ اس لئے کہ دوسرے طریقہ سے ان کی اصلاح ناممکن ہے اور برے وقت میں ان کی شرارت کی چنگاری تمام فسادوں سے بھی زیادہ بڑھ جائے گی۔

اشاریہ

اشخاص و اقوام کے نام

(الف)

ابراہیم علی خاں ۲۹

ابوالبرکات خاں، بخشی، کاکوروی ۲۸

ابوطالب بن مرزا محمد بیگ اصفہانی ۲۴ الف، ۳۲، ۳۹ - ۴۱، ۴۳، ۴۴، ۵۷، ۶۳،
(ذرۂ بے مقدار، راقم حروف، ۶۴، ۷۵ - ۸۱، ۹۰، ۱۱۹، ۱۳۰، ۱۳۲
ناچیز)

ابوالحسن بیگ اصفہانی ۴۰

آتمارام کھتری ۲۸
(دیوان برہان الملک)

اجاڑ رام (بستی رام) ۵۲، ۵۴، ۵۶ - ۵۸

احمد خاں ۴۲

احمد خاں بنگش ۳۱، ۴۱، ۱۳۲، ۱۳۶

آسبرن، جنرل ۷۵

اسمٰعیل بیگ خاں ۸۷ - ۹۰

اسمٰعیل بیگ شوریلی ۵۳، ۵۷، ۶۴ - ۶۶، ۸۲، ۸۹، ۹۴ -
۹۵، ۹۷

اشرف علی خاں (پسر بندہ علی خاں) ۱۲۱

آصف الدولہ، نواب وزیر ۲۴ الف، ۲۵، ۳۴-۳۶، ۳۸،
(مرزا امانی، نواب، ولی عہد) ۴۱-۴۷، ۴۹-۵۲، ۵۴-۵۶،
۶۱-۶۲، ۶۵، ۶۶-۷۱، ۷۴-
۷۵، ۸۰-۸۱، ۸۳-۸۴، ۸۷،
۹۱-۹۲، ۹۴، ۹۵، ۹۶-۱۰۳،
۱۰۵-۱۰۶، ۱۰۹، ۱۱۱، ۱۱۳-۱۱۶،
۱۱۹، ۱۲۴، ۱۲۷-۱۲۸، ۱۳۱، ۱۳۴،
۱۳۶، ۱۳۸-۱۴۳،

افراسیاب خاں ۱۴۰

افغان ۳۰، ۱۱۰، ۱۳۷

اکبر علی خاں ۵۳

اکبر علی خاں ۱۱۲
(پسر حیدر بیگ خاں)

الگزانڈر، ہینی کرنیل، ۶۳، ۶۴، ۷۵، ۷۷، ۸۰

الماس علی خاں ۳۱، ۵۲، ۵۶، ۵۷، ۶۲، ۸۰-۸۴، ۸۷،
۱۱۴، ۱۳۴-۱۳۵، ۱۳۹-۱۴۰

امراؤ گیر ۴۳

امیر الامرا (نجف خاں، ذوالفقار الدولہ) ۳۵، ۴۰-۴۳، ۴۹، ۵۶-
۵۷، ۵۹، ۶۰، ۷۳، ۱۰۹

امیر بیگ مغل ۷۵

اندر گیر گسائیں ۲۱

انڈرسن ڈیوڈ ۵۹

انگریز، انگریزی ۴۲، ۴۴، ۴۷، ۵۲، ۵۵-۵۶، ۶۳، ۷۴،
۷۵، ۷۷، ۸۱-۸۲، ۸۷، ۹۵، ۱۰۱، ۱۱۰،
۱۱۵، ۱۲۴ ۱۲۶، ۱۳۰-۱۳۱، ۱۳۴، ۱۳۷-۱۳۸،
۱۴۰-۱۴۳،

انوپ گیر گسائیں (گسائیں برادران۔ انوپ گیر و اندر گیر) ۲۰

انور علی خاں، خواجہ سرا ۴۸، ۵۴

ابیر گرامی ۱۲۳-۱۲۴، ۱۳۳

ایف، مسٹر ۱۰۲-۱۰۳، ۱۲۰-۱۲۱

ایلو، میجر ۵۱

(ب)

بادشاہ (دہلی) ۴۱، ۴۳-۴۴، ۴۸، ۱۳۲

باقر علی خاں ۷۸

بالاراؤ مرہٹہ ۳۳

بانک رام، رائے ۹۳، ۱۲۸، ۱۳۵

بچھے راج ۸۷

بچھراج ۱۰۵، ۱۲۸-۱۳۱

برسوٹجان ۳۸، ۴۱، ۵۰، ۵۲-۵۴، ۵۹، ۶۵، ۶۶،
۷۲، ۷۵، ۸۱، ۸۵-۸۷، ۸۹-۹۰، ۹۲-
۹۵، ۱۰۰، ۱۴۱

برہان الملک، نواب ۲۹، ۳۰، ۱۰۸، ۱۱۳، ۱۳۲

برہمن ۱۲۷

بڑے مرزا ۴۷-۴۸

بستی رام (اجاڑرام) ۵۲، ۵۴، ۵۶-۵۸

بسنت علی خاں، خواجہ ۲۸، ۳۳، ۴۱، ۳۵ - ۴۸

بلبھدر سنگھ، راجہ (راجہ تلوئی) ۸۲، ۸۴- ۸۷، ۸۹

بلیس، ڈاکٹر ۷۷، ۱۰۸

بندہ علی خاں ۲۹، ۱۲۱

بہادر علی، میر ۴۴

بہادر علی خاں ۲۸، ۳۹، ۵۴، ۸۱

بھگوان داس ۹۳

بھوانی سنگھ، راجہ ۹۱

بھولا ناتھ ۸۷

بیجناتھ ۱۰۵، ۱۲۷- ۱۲۸، ۱۳۴

بینی بہادر ۲۷، ۳۹

(پ)

پامر، میجر ۵۴، ۵۹-۶۰، ۸۸، ۸۹، ۹۳، ۹۹، ۱۰۴، ۱۳۰

پٹیل ۶۰، ۹۷، ۱۰۸

پرتاب سنگھ (دیوان نواب صفدر جنگ) ۲۸

پرشاد سنگھ ۳۲

پرلنگ (پرلین) ۷۲، ۱۷۳

(ت)

تہر چند بقال (خزانچی) ۲۸، ۴۴-۴۵، ۵۶، ۸۷

تحسین علی خاں ، خواجہ سرا ۳۵
تفضل حسین خاں ۲۶ـ۲۷ ، ۴۵ ، ۴۸ ، ۵۴ ، ۵۹ ، ۶۴ ،
۸۹ ، ۱۰۰ ، ۱۰۳ـ۱۰۴ ، ۱۱۹ ، ۱۲۹ ، ۱۳۱ ،
۱۳۴ ، ۱۳۸ ـ ۱۴۱
تقی بیگ خاں ۹۰

ٹ

ٹکیت رائے ۵۳ ، ۶۲ ، ۶۴ ، ۷۸ ، ۹۲ـ۹۴ ، ۱۰۱ ،
۱۰۳ـ۱۰۵ ، ۱۱۱ ، ۱۱۵ـ۱۱۷ ، ۱۱۹ ،
۱۲۷ـ۱۳۱ ، ۱۳۴ ، ۱۳۶
ٹیپو سلطان ۱۱۹

(ج)

جاٹ (زمیندار) ۳۲ ،
جانسن نیجر ۵۴ ، ۶۶ ، ۷۲ ، ۷۳ ، ۷۸ ، ۸۰ ـ ۸۴ ،
۸۸ ـ ۸۹ ، ۹۳ ، ۱۲۱ ، ۱۴۰ ، ۱۴۱
جاوید خاں ، مدارالمہام ۱۳۲ ،
جگن ناتھ ، راجہ ۲۷ ، ۵۰ ، ۹۳ـ۹۴ ، ۱۰۴
جمال الدین خاں تورانی ، سید ۳۲ ، ۵۸
جمشید بیگ ۳۲ ، ۹۹
جواں بخت ، شہزادہ ۹۶
جواہر علی خاں ، خواجہ ۲۸
جھاؤلال ، راجہ ۳۵ ، ۴۴ ، ۴۵ ، ۴۹ ، ۹۲ـ۹۳ ، ۱۰۱ ،

۱۹ ، ۱۱۷ ، ۱۲۶ - ۱۳۱ ، ۱۳۳ - ۱۳۶ ، ۱۳۸ - ۱۴۰

(چ)

چیت سنگھ (راجہ بنارس) ۷۴ ، ۷۷ ، ۱۱۰

چیری، فریڈرک ولیم۔ ۶۸ ، ۱۲۰ ، ۱۲۴ - ۱۳۱ ، ۱۳۳

(ح)

حسن رضا خاں، مرزا ۲۸ - ۳۰ ، ۵۰ ، ۵۲ - ۵۴ ، ۶۲
۹۸ ، ۱۱۱ ، ۱۱۶ ، ۱۱۹ - ۱۲۰ ، ۱۲۸ -
۱۲۹ ، ۱۳۱ ، ۱۳۴ ، ۱۳۶

حسین علی خاں ۱۲ :
(الہر حیدر بیگ خاں)

حیدر بیگ خاں کابلی ۳۱ : ۳۸ - ۳۹ ، ۵۰ ، ۵۲ - ۵۹ ،
۶۱ - ۶۶ ، ۷۲ ، ۹۰ ۹۱ - ۹۶ ،
۹۸ - ۱۰۴ ، ۱۱۰ - ۱۱۶ ، ۱۱۹ ، ۱۳۶ ، ۱۴۰ ، ۱۴۲

(خ)

خادم حسین خاں بنگالی ۶۷

خانزاد خاں ۱۰۴

خداوند خاں ۱۳۶ - ۱۳۷

خوش نظر (خواجہ سرا) ۵۳

(د)

دھنپت رائے ۱۰۵ ، ۱۲۷ - ۱۲۸

(ذ)

ذوالفقار الدولہ (نجف خاں، امیر الامرا) ۳۵ ، ۴۰ - ۴۳ ، ۴۹

۵۶-۵۷، ۵۹، ۶۰، ۶۲، ۱۰۹
ذوقی مل ۲۸

(ر)

راجپوت ۵۷، ۷۹، ۸۶
رام نرائن ۲۷
رچرڈسن، کپتان ۲۴ الف
رحمت خاں، حافظ ۱۲۴
رحمت اللہ خاں ۵۹
رحیم خاں، مرزا ۱۰۸
رضا بیگ مغل ۹۱
رضا علی ۱۲۲
روہیلہ ۲۶، ۱۱۰، ۱۲۳-۱۲۷، ۱۳۸، ۱۴۳

(ز)

زماں شاہ ابدالی (شاہ ابدالی) ۱۰۹، ۱۲۶، ۱۳۷ - ۱۳۹
زین العابدین خاں طباطبائی ۳۹، ۴۳، ۵۵-۵۸، ۶۳،
۱۰۸، ۱۰۹

(س)

سالار جنگ (میر محمد اسحٰق شوستری) ۲۸، ۳۴، ۶۴، ۸۰،
۸۳، ۱۰۳
سرفراز بیگ ۱۰۳
سعادت علی خاں، مرزا نواب وزیر ۲۶، ۳۸، ۴۵-۴۶،
(صاحبزادہ۔ برادر آصف الدولہ) ۴۸، ۵۹

سکھ ۱۲۶، ۱۳۷، ۱۵۱
سلیمان شکوہ، شاہزادہ ۱۰۴
سید محمد خاں (بعدۂ مختار الدولہ) ۳۹، ۴۱، ۵۴، ۱۰۸
شجاع الدولہ، نواب وزیر (ش) ۲۵، ۲۷، ۲۹، ۳۲، ۳۴، ۳۸ - ۴۰، ۴۲، ۴۸ - ۵۱، ۵۳، ۵۶، ۶۰ - ۶۱، ۶۳، ۷۶، ۱۱۱، ۱۱۴، ۱۲۲، ۱۳۲
(نواب مرحوم)
شفائی خاں، حکیم ۱۱۱
شفیع اللہ ثانی، شیخ ۶۶، ۸۲
شفیع خاں، مرزا ۴۹، ۸۰، ۸۲، ۸۴، ۱۰۸
شنبھوناتھ ۱۳۱، ۱۳۴
شور، سرجان، گورنر جنرل ۱۱۹، ۱۲۴، ۱۲۸، ۱۳۸
شیخ احسان ۳۳

(ص)

صفدر جنگ، نواب ۲۶ - ۲۷، ۲۹ - ۳۰، ۴۰، ۸۴، ۱۳۲، ۱۳۴ - ۱۳۵
صورت سنگھ ۲۷، ۴۴، ۵۵، ۸۰، ۹۳
(اطلاق نویس راجہ جہاں نرائن)

(ط)

طالب علی ۳۶
طاہر آغا ۳۲

(ع)

عبدالرحمٰن خاں افغان، قندہاری ۱۰۸
عبداللہ بیگ ترک ۷۵، ۸۰
عبدالمطلب خاں ۱۰۸
عجب خاں افغان ۴۵
عطا بیگ خاں ۹۹
علی بہادر ۱۳۶
علی محمد روہیلہ ۱۲۴
عماد الملک ۳۱
عمر خاں ۱۲۵، ۱۳۶
عنبر علی خاں، خواجہ ۲۸
معین الدین خاں، خواجہ ۶۶—۶۷، ۹۳

(غ)

غلام حضرت، مفتی ۹۱، ۹۳
غلام قادر خاں ۹۷، ۱۳۷
غلام محمد (پسر فیض اللہ خاں) ۱۲۳- ۱۲۶، ۱۳۶
غلام مصطفیٰ، قاضی ۹۱

(ف)

فتح چند پاٹھک ۵۵
فتح علی خاں درّانی ۴۲، ۶۲
فرینکلن، کپتان ۷۸

فضل عظیم خان، مولوی ۲۸، ۹۸
فضل علی، میر ۳۶
فیض اللہ خان ۳۷، ۱۲۲

(ق)

قاسم خان منڈل ۳۲

(ک)

کارنواس، لارڈ ۹۷-۹۸، ۱۰۱-۱۰۳، ۱۱۱، ۱۱۲، ۱۱۸-۱۱۹
(گورنر جنرل) ۱۱۸، ۱۱۹
کالنس، جان ۳۴
کاشتہ ۳۲، ۳۴
کاؤنسل ۷۹، ۸۹، ۹۴، ۱۲۸-۱۲۹، ۱۳۳
کرم اللہ خان ۲۷
کلب علی خان ۲۹
کلیوزنگ ۳۷
کمپنی ۳۲، ۴۱، ۵۱، ۷۳، ۸۰-۸۱، ۱۰۱-۱۰۲
۱۲۶، ۱۳۳
کندن لال ۵۵، ۶۶
کھنولیے ۳۴
کوپر ۹۳، ۱۲۹
کوٹ، سر آئر ۷۲

(گ)

گارڈن، کپتان ۵۴، ۷۸

گاوڈر، کرنیل ۵۱، ۵۵، ۷۵

گبریل ہارپر، کرنیل ۱۰۰، ۱۰۲

گسائیں (دانوپ گیر و امراؤ گیر گسائیں) ۳۰-۳۱، ۴۳-۴۴، ۴۶، ۴۸، ۵۶

گورنر (گورنر جنرل ہندوستان) ۶۱، ۶۴، ۶۸، ۸۱، ۸۹، ۹۴، ۹۶، ۹۸، ۹۹، ۱۲۸-۱۲۹، ۱۳۱، ۱۳۶، ۱۳۸، ۱۴۰

(ل)

لطافت علی خاں، میجلاک ۲۸، ۴۸، ۴۹

لمسڈن، جان (لمسڈین) ۸۷، ۱۳۱، ۱۳۳

(م)

مبین، مولوی ۹۲

مڈلٹن، نیتھینیل ۳۷، ۵۲، ۵۷، ۶۴-۶۶-۷۲-۷۴، ۷۷، ۸۰-۸۳، ۸۵، ۸۷-۸۹

محبوب علی خاں، خواجہ ۲۸، ۳۸، ۵۲

محرم علی خاں ۱۳۲

محمد ابراہیم خاں ۲۹

محمد اسحٰق خاں شوستری ۲۸

محمد ایرج خاں ۲۷-۲۸، ۳۵، ۴۱، ۴۴، ۵۰، ۵۲، ۶۶

محمد بشیر خاں ۲۶

محمد بیگ خاں، حاجی (والد ابوطالب) ۴۰

محمد بیگ خاں ہمدانی ۴۹
محمد حسن خاں، مرزا ۶۵
محمد حسین خاں ۱۱۲
محمد خاں ۱۳۸
(بادشاہ ایران)
محمد رضا خاں (مظفر جنگ) ۴۱، ۱۳۶-۱۳۷
محمد شاہ ۲۶، ۲۸-۲۹
محمد علی خاں (پسر فیض اللہ خاں) ۱۲۴-۱۲۵
محمد قلی خاں (نبیرہ نواب صفدر جنگ) ۴۰، ۱۰۸-۱۰۹
محمد ناصر خاں حبشی ۳۰-۳۱، ۳۸
محمد نصیر خاں ۳۱، ۹۲-۹۳
محمد یوسف ۱۰۸
محمود درانی ہرات (برادر نادر شاہ) ۱۳۷-۱۳۸
مختار الدولہ، سید ۲۵، ۲۷، ۳۱، ۴۱-۴۲، ۴۵-
(سید مرتضیٰ علی خاں طباطبائی) ۴۸، ۵۰، ۵۲-۵۳، ۹۲
مخدوم بخش ۱۰۳
مراد اللہ خاں ۸۲
مرتضیٰ علی خاں، سید ۵۴
مرتضیٰ علی خاں بڑھیچ ۳۲، ۳۸
مرتضیٰ علی خاں طباطبائی ۲۵، ۲۷، ۳۱، ۳۹، ۴۱-۴۲،
(مختار الدولہ) ۴۵، ۴۸، ۵۰، ۵۲-۵۳، ۹۲

مرزا جعفر ۱۱۷

مرزا جنگی (شہامت علی خاں) ۲۷، ۶۰، ۱۲۲

مرزا حسن ۹۸

مرزا مہدی ۹۴، ۱۳۴

مرہٹہ ۱۳۰، ۱۳۶

مسلمان ۱۱۰

مصطفیٰ خاں ۲۵، ۳۲

مطبوع علی خاں ۱۳۲

مظفر جنگ ۴۱، ۱۳۶-۱۳۷
(محمد رضا خاں)

معزالدین خاں، شیخ ۲۸
(رشتہ دار شیخ ابوالبرکات کاکوری)

معزز خاں، سید ۳۸، ۵۰

معین الملک (صوبہ دار لاہور) ۲۷

مکڈانلڈ، میجر ۷۷

مہانرائن ۲۷، ۱۰۴

مہا، راجہ ۷۱، ۱۳۵

میاں آفرین ۵۵

میر احمد ۳۳

میکفرسن، سر جان ۹۹-۱۰۰
م ۱۰۲ [illegible]

(ن)

نجف خاں، مرزا ۳۵، ۴۰-۴۳، ۴۹، ۵۶-۵۸
(امیرالامرا، ذوالفقار الدولہ) ۵۹-۶۰، ۶۲، ۱۰۵، ۱۰۹،
نجو خاں ۱۲۵
نرمل داس ۱۰۵، ۱۲۷، ۱۳۴
نصراللہ خاں ۱۲۵-۱۲۶، ۱۳۶
نعمت اللہ، خواجہ ۳۲، ۹۹
نواب بیگم ۲۵، ۳۸، ۵۴، ۶۱، ۷۸، ۸۰-۸۲، ۱۲۰،
نواب عالیہ (بنت برہان الملک) ۶۰، ۸۰، ۱۳۲
نواب مرحوم (شجاع الدولہ، نواب وزیر) ۲۵، ۲۷، ۲۹،
۳۲-۳۴، ۳۸-۴۰، ۴۲،
۴۸-۵۱، ۵۳، ۵۶، ۶۰-۶۱،
۹۳، ۷۶، ۱۱۱، ۱۱۴، ۱۲۲، ۱۳۲
نواز سنگھ، اردلی ۴۰، ۱۳۴
نور بیگ (برادر حیدر بیگ) ۳۹
نوروز علی خاں ۳۱، ۳۹، ۹۱
نول رائے، راجہ ۴۰

(و)

وزیر علی خاں ۱۲۱، ۱۳۲
ونیسٹارٹ، ہوشیار جنگ ۷۲

(ہ)

ہلمپر، کرنیل گیبریل ۱۰۰، ۱۰۲

ہانی (الگزانڈر ہیلی، کرنیل) ۶۳، ۷۳، ۷۵، ۷۷، ۸۰

ہردے نرائن ۱۰۴

ہلاس رائے ۱۲۷-۱۲۸

ہمت بہادر ۱۳۶

ہوزی ۷۲

ہوشیار جنگ (وینسیٹارٹ) ۷۲

ہیسٹنگز، وارن (گورنر جنرل) ۳۷، ۵۹، ۷۴-۷۵، ۸۸-۹۰، ۹۵، ۹۹-۱۰۰

ہیلی (ہانی)، کرنیل الگزانڈر ۶۳، ۷۳، ۷۵-۷۷، ۸۰

(ی)

یوسف، مرزا ۱۰۸

یوسف علی خاں ۴۸

مقامات کے نام

(الف)

اٹاوہ ۴۱-۴۲، ۵۰-۵۱، ۵۷، ۵۹، ۱۱۴

اٹک ۱۳۸

اریل ۷۵

آصف باغ ۶۸

اعظم گڑھ ۷۷، ۹۹، ۱۱۵
اکبر آباد (آگرہ) ۳۶، ۵۹، ۹۸-۹۹، ۱۰۹، ۱۳۸
اکبر پور ۳۱
اکبر پور بیربر ۴۳
اکبر پور دوست پور ۱۱۵
المہرہ ۶۷
الٰہ آباد ۳۱، ۳۸، ۴۰، ۴۴-۴۶، ۶۶، ۷۲، ۹۴، ۱۰۲،
۱۱۵، ۱۳۶-۱۳۸
انگلستان (ولایت) ۷۳، ۹۹، ۱۰۰، ۱۰۸
انوپ شہر ۳۱
اودھ ۲۷، ۷۳، ۱۱۵
اہیر ۱۱۵
ایران ۶۵، ۱۳۸

(ب)

بانگرمئو ۴۲، ۵۰
بجے نگر ۱۲۶
بریلی ۲۶، ۳۸، ۴۱-۴۳، ۴۴، ۴۹، ۵۵،
۶۶، ۸۰، ۹۷، ۱۰۱، ۱۱۴-۱۱۵، ۱۲۴،
۱۲۶، ۱۳۴، ۱۳۸، ۱۴۳
بٹھور گھاٹ ۵۶

بنارس ۴۱، ۴۴، ۵۹، ۶۵، ۷۴، ۷۷-۷۸، ۸۰، ۸۷، ۹۳، ۹۵، ۹۷، ۹۸، ۱۰۲، ۱۰۹، ۱۳۱، ۱۳۴-۱۳۸
بندیل کھنڈ ۷۵
بنگال ۴۰-۴۱، ۶۶، ۷۱، ۱۰۱، ۱۰۹، ۱۱۰
بہرائچ ۶۹، ۱۱۵
بیانہ ۵۹
بھیواڑہ ۱۱۵، ۱۳۴

(پ)

پرتاپ گڑھ ۳۱، ۱۱۵
پنجاب ۱۲۰-۱۳۸
پھپھوند ۴۳، ۵۱

(ت)

تالکام ۵۵

(ٹ)

ٹانڈہ ۷۸، ۱۱۵

(ج)

جمنا، دریا ۴۴، ۸۲، ۱۳۸
جونپور ۱۳۹
جہلم، دریا ۱۳۸

(چ)

چنار ۱۲۵

چنبل، دریا ۵۹

(ح)

حیدرآباد ۱۱۹

حیدر گنج ۱۱۲

(خ)

خیرآباد ۳۲، ۱۱۵

(د)

دریاباد ۶۸، ۱۱۵

دکن ۷۵، ۱۰۶، ۱۱۹

دلسو ۱۵، ۱۲۳

دوآب (دوآبہ) ۳۱، ۴۳، ۵۴، ۵۸، ۱۳۸

دوست پور ۱۱۵

دہلی (شاہجہاں آباد) ۲۹، ۳۵، ۵۲، ۹۰، ۱۳۲،
۱۳۷-۱۳۸

دیگ ۴۲

(ر)

راج ماہرہ ۵۸

رام پور ۱۲۴—۱۲۵، ۱۳۶، ۱۳۸

ردولی ۱۱۵

رسول آباد ۴۳

ردہس ۱۳۸

رہڑہ ۱۲۵

(س)

سبزہ محلہ ۹۱

سردار ۳۸، ۷۵–۷۶، ۸۰، ۹۳، ۱۰۵

سکندرہ بلاسپور ۴۳

سلطان پور ۳۱، ۷۷–۷۸، ۱۱۵

سندیلہ ۱۱۵

سورت ۱۲۶

(ش)

شاہجہاں آباد (دہلی) ۲۹، ۳۵، ۵۲، ۹۶–۹۷، ۱۳۲،
۱۳۷–۱۳۸

شمس آباد ۱۳۷

شیوراج پور، گھاٹ ۵۸

(ع)

عظیم آباد (پٹنہ) ۱۳۹–۱۴۰

(غ)

غوث گڑھ ۱۳۸

(ف)

فتح آباد (کابل) ۳۹

فرخ آباد ۴۲، ۵۱، ۷۵، ۱۳۶–۱۳۷

فیض آباد ۳۴–۳۶، ۶۰، ۶۸–۷۰، ۷۸، ۸۰، ۱۳۲

(ق)

قنوج ۵۷، ۱۳۷-۱۳۸

(ک)

کابل ۳۹، ۱۳۸
کالپی ۴۳، ۹۹، ۱۰۹، ۱۳۶، ۱۴۰
کانپور ۷۹، ۱۲۳، ۱۳۳، ۱۳۶
کلکتہ ۲۴ الف، ۵۹، ۶۱، ۷۳، ۷۹، ۸۵، ۸۹،
۹۳-۹۵، ۱۰۳-۱۰۴، ۱۱۸-۱۲۰، ۱۳۳، ۱۳۶-
۱۳۸
کوڑہ (کوڑا) ۳۱، ۳۸-۳۹، ۵۲، ۵۷-۵۸، ۱۱۴
کھیرا گڑھ ۱۱۵

(گ)

گنگا، دریا ۴۱، ۴۴، ۵۰، ۵۶، ۸۶، ۱۳۷-۱۳۸،
گوالیار ۹۹
گودا ۵۹
گورکھپور ۷۶، ۱۱۵
گومتی، دریا ۵۷، ۱۰۶
گونڈہ ۱۱۵
گھاٹم پور ۴۳، ۵۷
گھاگھرا، دریا ۳۱، ۶۸-۶۹، ۷۷-۷۸

(ل)

لاہور ۲۷، ۱۳۷ - ۱۳۸

لکھنؤ ۳۰، ۳۶، ۳۸ - ۴۰، ۴۹ - ۵۲، ۵۴،
۵۶ - ۶۰، ۶۲، ۶۸، ۷۰ - ۷۳، ۷۵، ۷۹،
۸۱، ۸۷، ۸۹ - ۹۲، ۹۴ - ۱۰۴، ۱۰۸، ۱۱۲،
۱۱۵، ۱۱۸ - ۱۲۰، ۱۳۲ - ۱۳۳، ۱۳۶ - ۱۳۹، ۱۴۲

(م)

مانک پور ۱۱۵

مایل ۱۱۵

محمدی (تعلقہ) ۱۱۵

مرشد آباد ۵۷

مسقط ۱۲۶

مشہد ۴۰

مکہ معظمہ ۵۲

ملک دستور پور ۱۱۵

ملیح آباد ۱۱۵

موسیٰ نگر ۵۷

منو ۱۳۷

(ن)

نجیب آباد ۴۳

(و)

ولایت (انگلستان) ۴۳، ۹۹-۱۰۰، ۱۰۸

(ہ)

ہرات ۱۳۷
ہردوار ۱۳۸
ہردوئی 115
ہندوستان ۲۶، ۲۹، ۳۹-۴۰، ۱۳۲، ۱۴۲

کتابیات

مخطوطات فارسی

ایڈنبرا یونیورسٹی لائبریری - مخطوطہ نمبر ۳۲۴

EDIMBURGH UNIVERSITY OR, MS. NO 324

تاریخ آصفی ، نسخہ رضا لائبریری ۔ رامپور مخطوطہ نمبر ۲۱۴۱

فوٹو اسٹاٹ کاپی نیشنل آرکائیوز آف انڈیا نمبر ۲۳۶۷

حدیقۃ الافکار ، دلی یونیورسٹی لائبریری

مخطوطہ نمبر 52X 6L 0164 .NO

خلاصۃ الافکار ، انڈیا آفس لائبریری ۔ لندن

مخطوطہ نمبر ۶۹۶

INDIA OFFICE LIBRARY MS, NO.696

دیوان ابوطالب

مخطوطہ باڈلین (آکسفورڈ) لائبریری نمبر ۱۹۹۴

BODLEIAN (OXFORD) MS. NO 1994

NATIONAL ARCHIVES OF INDIA, NEW DELHI.

OR 260, RECD 13TH JUNE 1793

ARB, P34, NO 322.

OR 212, RECD 23RD MAY 1799.

- مطبوعاتِ فارسی و اردو

بوستانِ اودھ از کنور درگا پرشاد

مطبوعہ لکھنؤ ۱۸۹۲

تاریخِ اودھ از نجم الغنی

مطبوعہ نولکشور پریس ۔ لکھنؤ

تاریخ اودھ از بہت

مطبوعہ فتح گڑھ ۱۸۶۰

دیوانِ حافظ ترتیب و تہذیب مرزا ابوطالب

مطبوعہ کلکتہ

سوانح سلاطین اودھ از کمال الدین حیدر

مطبوعہ نولکشور پریس ۔ لکھنؤ ۱۸۷۹

سیر المتاخرین از غلام حسنین
مطبوعہ نول کشور پریس۔ لکھنؤ
عماد السعادت
مطبوعہ نولکشور پریس۔ لکھنؤ
مسیر طالبی از مرزا ابوطالب
مطبوعہ کلکتہ ۱۸۱۲
مفتاح التواریخ از ٹی۔ ڈبلیو۔ بیل (T. W. BEALE)
مطبوعہ نولکشور پریس۔ لکھنؤ
وقائع زمان نواب آصف الدولہ از مرزا ابوطالب
ترتیب و تہذیب عابد رضا بیدار۔
مطبوعہ انسٹی ٹیوٹ آف اورینٹل اسٹڈیز۔ رام پور۔ ۱۹۶۵

انگریزی مطبوعات

AN ADVANCED HISTORY OF INDIA

By MAJUMDAR, DUTTA and RAYCHAUDHRY

London 1950

A GLOSSARY OF JUDICIAL and REVENUE

TERMS - - - - - - - - - - - - OF BRITISH

INDIA.

By H. H. WILSON

Calcutta 1940

ASIATIC ANNUAL REGESTER, 1801

London

CALENDER OF PERSIAN CORRESPONDENCE

vols VII ——— X. 1940 - 59 (QUOTED AS CPC)

NATIONAL ARCHIVES OF INDIA, New Delhi

DICTIONERY OF ORIENTAL BIOGRAPHY
By BUCKLAND
SONNESCHIEN 1906.

ETAWAH DISTRICT GAZETTEER
EDITED by. DRAKE AND BROCKMAN. 1911.

HISTORY OF ASAFAD-DAULAH
NAWAB-WAZIR OF OUDH
By MIRZA ABU TALIB
TR by W. HOEY
Govt. PRESS ALLAHBAD. 1885.

INDIAN ARMY LIST, POONA
RESIDENCY RECORDS, vol 2.

INDO-IRANICA
vol 17, DEC 1964

LIST OF OFFICERS OF THE BENGAL ARMY
By V.C.P. HODSON
PHILMORE & CO, London, 1928 and 1946.

MEMOIRS OF DELHI and FAIZABAD
By MUNSHI FAIZ BAKHSH

TR-by W. HOEY.

N.W. PRESS, Allahbad 1829

NARRATIVE OF THE JOURNEY THROUGH UPPER

PROVINCES OF INDIA, vol I

By WILLIAN HEBER

London 1828.

ORIENTAL BIOGRAPHICAL DICTIONARY

By T.W. BEALE

BAPTIST MISSION PRESS, Calcutta.

OUDH AND EAST INDIA COMPANY 1785-1801

By BASU

MAXWELL & CO Lucknow, 1943.

PERSIAN LITERATURE ——— A BIO-BIBLIO-

GRAPHICAL SURVEY,

LUZAC & CO, London.

POLITICAL RELATIONS EXISTING BETWEEN THE

NATIVE STATES AND CHIEFS SUBJECT TO

THE GOVERNNENT

By D'CRUZ

GOVT. PRESS N.W.F.P.

RAMPUR STATE GAZETTER

GOVT. PRESS, Allahabad, 1911.

RUSSELL LECTURE ON

MIRZA ABU TALIB

By PROF HUMAYUN KABIR

AT PATNA COLLAGE Patna

on 16th APRIL 1961.

THE CHRONICLES OF OONAO

By C. A. ELLIOT.

Allahabad 1862.

THE FIRST TWO NAWABS OF OUDH

By A. B. L. SIRIVASTAVA

Agra 1954.

THE GARDEN OF INDIA

By H. C. ELLIOT

London 1880

THE IMPERIAL GAZETEER OF INDIA,

vol XXV, INDEX new Edition

OXFORD 1909

WARREN HASTINGS AND OUD.

BY COLLN DAVIES, C

OXFORD 1959.